وہ ایک دن



ناول

آسیہ رئیس خان

وہ ایک دن

''میڈم۔ میڈم!'' کلینر نے جھک کر قدرے اونچی آواز لگائی تو شیبع میڈم ہڑبڑا کر جاگی۔

''اسٹاپ آگیا ہے تمہارا۔'' دبلے پتلے لڑکے نے مراٹھی میں کہتے ہوئے اسے سر سے پیر تک گھورا۔ وہ کشمکش میں تھا کہ اس کی گہری نیند پر رشک کرے یا یوں بے سدھ سونے پر افسوس۔

''س......سوری......سوری۔'' سیٹ کی پشت سے ٹیکا ہٹا کر دوپٹہ درست کرتے ہوئے وہ ہکلائی۔ بس کے دیگر مسافر اسے بری طرح گھور رہے تھے۔ وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔

''سوری۔'' ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے وہ سرعت سے بس سے نیچے اتری۔ ڈرائیور جیسے اس کے باہر نکلنے کا ہی منتظر تھا۔ ایک کرخت سی آواز اور دھوئیں کے غبار کے ساتھ بس آگے بڑھ گئی۔

وہ ابھی پوری طرح حواسوں میں لوٹی بھی نہیں تھی کہ ایک نئی افتاد سر پر آن کھڑی ہوئی۔ اسے تنہا بس سے نکلتے دیکھ کر چار پانچ آٹو رکشہ اور پرائیویٹ ٹیکسی ڈرائیور دوڑے اس کے پاس آئے تھے۔ وہ سارے ہی مراٹھی اور کچھ ٹوٹی پھوٹی انگلش میں اسکی منزل کا پتہ پوچھ کر اسے منزل تک پہنچانے کی پیشکش کر رہے تھے۔ اسکول اور کالج کی پکنک اور ٹرپس کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب وہ ممبئی سے باہر نکلی تھی وہ بھی تنہا۔ کالج کے لیے روز بس کے

سفر کی عادی تھی سو اس قسم کے حالات سے نپٹنا بھی جانتی تھی۔

وہ چہرے پر سختی اور درشتی لیے، لب بھینچے آگے بڑھتی رہی۔ اپنی سیاہ زائیلو ڈرائیونگ سیٹ پر فون پر محو گفتگو جہان کی بھٹکتی نظر اس طرف گئی، لائٹ بلیو جینگنگ اور مسٹرڈ ہیلو کرتے پر، سفید دوپٹہ اس نے سر اور شانے کے گرد جس انداز میں لپیٹ رکھا تھا، وہ اسکے ہم قوم ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ جہان نے اس کے دائیں بائیں اور پیچھے اس کے ساتھی مسافروں کو تلاش کیا مگر وہ تنہا ہی نظر آئی۔ ان پانچوں میں سے ایک لفنگا ڈرائیور اس کے چہرے کے قریب جا کر کچھ کہہ رہا تھا اور وہ اپنی جگہ سہم کر تھم گئی۔ اس ایک لمحے میں اسکی کمزوری سب پر ظاہر ہو گئی تھی۔ وہ سارے ایک ساتھ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''میں پانچ منٹ بعد کال کرتا ہوں۔'' اس نے دوسری طرف کا جواب سنے بنا ہی فون بند کر دیا اور باہر نکل کر دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کیا۔ قدرے فاصلہ ہونے کے باوجود بھی وہ سب آواز کی سمت گھوم گئے۔

''کب سے انتظار کر رہا ہوں۔ اور تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہو؟'' وہ غصے سے کہتا ہوا اس کی سمت بڑھا تھا۔ شیبی کے چہرے پر پھیلے خوف و دہشت کی جگہ تحیر نے لے لی جبکہ ڈرائیوروں کے چہروں سے شکار کو پھانس لینے والی خوشی غائب ہو گئی تھی۔

''اب چلو بھی، گھر سے فون پر فون آ رہے ہیں۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے پاس بلایا۔ ان پانچوں نے دور ہٹ کر اس کے لیئے آگے جانے کا راستہ بنایا۔ وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان کے درمیان سے نکل کر جہان کے قریب آئی۔

''ساتھ چلو۔'' جہان کی سرگوشی پر اجنبی کی بات کا مطلب سمجھ کر وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتے ہوئے گاڑی تک آئی۔ ابھی وہ گاڑی کے پاس پہنچے ہی تھے کہ جہان کے فون کی بیل بجنے لگا۔

''مام کالنگ۔'' جہان کی فون ریسیو کرنے سے پہلے شیبی نے اسکرین پر دیکھ لیا تھا۔

''اچانک فون کیوں کٹ کر دیا؟'' دوسری طرف سے اتنی اونچی آواز میں کہا گیا کہ شیبی نے بھی صاف سنا۔

''ایک ایمرجنسی آ گئی تھی مما۔'' جہان نے ذرا پرے جا کر آہستہ سے کہا۔

''ایمرجنسی؟ اب کیا ہو گیا؟'' ادھر سے پریشانی بھرا سوال آیا۔

”کچھ خاص نہیں مما۔“

”ارے، طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟ لوز موشن تو نہیں ہو رہے؟ راستے کا کھانا کھانے منع کیا تھا تجھے۔“ مما نے ایمرجنسی کا مطلب خوب نکالا تھا۔

”مما!“ وہ احتجاجاً دبی آواز میں چیخا۔

”گاڑی خراب ہوگئی؟ ارے ایکسیڈنٹ تو نہیں کر بیٹھا؟“

”مجھے کچھ ہوا ہے نہ گاڑی کو کچھ ہوا ہے اور سارا زمانہ میری ڈرائیونگ کا قائل ہے پتہ نہیں آپ کب یقین کریں گی۔“

”تو سچ بتا پھر مجھے۔“

جہان نے دزدیدہ نظر بظاہر بے نیاز مگر سب سنتی شیبع پر ڈالی۔ اس کی مما دراصل اسے سہیلی کی طرح ٹریٹ کرتی تھیں اور انہیں ہمیشہ سارے احوال بھی سہیلی والی تفصیل میں درکار ہوتے تھے۔ جہان نے مختصراً انہیں اصل قصہ سنایا۔

”کہاں جا رہی ہے وہ لڑکی تنہا؟ اس سے پوچھ، اگر کہیں قریب میں ہی گھر ہے تو اسے گھر تک پہنچا دے۔“ ادھر سے حکم آیا۔

”جی مما۔“ وہ تحمل اور سعادت مندی سے بولا۔

”جی مما نہیں۔ اسے گھر چھوڑنے کے بعد مجھے کال کر۔ چل تیرے ابو مجھے آوازیں لگا رہے ہیں۔ اللہ حافظ۔“ دوسری طرف سے فون بند ہونے پر جہان نے ایک گہری سانس لی اور شیبع کی طرف پلٹا۔

”باتوں سے تو مما نہیں اماں لگتی ہیں۔“ شیبع نے دل میں سوچا۔

”میری مدد کرنے کے لئے شکریہ۔“

شیبع کا شکریہ اس نے مسکرا کر قبول کیا۔

”وہ بستی اور آبادی یہاں سے بہت دور ہے میں......“

”مجھے یہاں سے دوسری بس لینی ہے۔“ چونکہ وہ ان دونوں کی گفتگو سن چکی تھی اس لئے سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا

کہنا چاہ رہا ہے۔

"جگہ کا نام بتاؤ، میں بس کی ٹائمنگ پوچھ کر آتا ہوں۔"

شیج نے نام بتایا جو اس نے بھی چند گھنٹوں پہلے پہلی بار سنا تھا اور اب یہ نام ہمیشہ کے لئے درد سے منسوب ہو گیا تھا۔

ممبئی گوا شاہراہ پر وہ چھوٹا سا اسٹاپ تھا جہاں اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی اور نجی بسیں رکتی تھیں۔ جہان بس کی ٹائمنگ پوچھنے گیا تو وہاں کھڑے اطراف کا جائزہ لیتی شیج کو اچانک پیاس کا احساس ہوا اور پیاس کے ساتھ ہی پانی کی بوتل اور بیگ یاد آیا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

"نہیں۔" اس نے مڑ کر سڑک کو دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے بس غائب ہوئی تھی۔ خوف اور خدشات کے مارے وہ بیگ گود میں رکھے جاگتی رہی تھی۔ لیکن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نیند، جو کہتے ہیں سولی پر بھی آجاتی ہے اس پر بھی مہربان ہو ہی گئی تھی۔ اس کی بغل والی سیٹ پر بیٹھی خاتون جب اپنی منزل پر اتریں تو اس نے اپنا بیگ خالی ہوئی سیٹ پر رکھ دیا تھا اور جس ہڑبڑاہٹ میں وہ بس سے نکلی تھی اسے بیگ کا خیال ہی نہیں آیا۔

"اس بھولنے والی عادت نے ہی یہ دن دکھایا ہے اور اب......" اسے ایک دم رونا آ گیا۔ جہان واپس آیا تو وہ ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا ہاتھ کمر پر رکھے آنسو بہا رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس کا انداز اور آنسو، جہان کا کنفیوز ہونا بنتا تھا۔

"مم......مم......میرا بیگ......" مارے صدمے کے الفاظ بھی ڈھنگ سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔

"کیا......؟"

"میرا بیگ بس میں ہی چھوٹ گیا ہے۔" وہ چہرہ صاف کر کے سنبھلی۔

"فون، ایڈریس، والٹ سب اسی میں ہیں۔" اس نے پھر پلٹ کر راستے کو دیکھا۔

"اب کیا کروں؟" اپنے پرانے ریکارڈ کے مدنظر اس نے بڑی ہوشیاری اور سمجھداری سے ایڈریس ڈائری میں لکھنے کے بعد اپنے فون میں اس کی تصویر بھی لے لی تھی اور اب ایڈریس، فون، ڈائری سب ایک ساتھ گنوا بیٹھی تھی۔

''بس کا اگلا اسٹاپ کیا ہے؟'' جہاں نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔''

آخری اسٹاپ کیا ہے؟''

''رتنا گری۔''

''بکنگ آفس، کلینز، ڈرائیور کسی کا فون نمبر یاد ہے؟'' اتنا تو جہاں نے دیکھا تھا کہ وہ بس اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی نہیں تھی۔ بی بی کی ذمہ داری کا مظاہرہ سامنے تھا سوا سے اپنا یہ سوال بڑا ہی فضول لگا۔

شیبج نے سرعت سے اپنی دائیں آستین اوپر کی اور کلائی پر بندھی گھڑی کے ڈائل کے نیچے سے تہ کیا ہوا پتلا سا کاغذ نکالا۔ وہ بس کا ٹکٹ تھا۔ روزانہ کالج کے لئے بس سے سفر کے دوران یوں تو وہ سہ ماہی پاس استعمال کرتی تھی لیکن کبھی کبھار جب ٹکٹ لینے کی نوبت آتی تو وہ ٹکٹ یونہی سنبھالا کرتی تھی کیونکہ اس کبھی کبھار میں بھی اس نے یہ طریقہ استعمال کرنے سے پہلے بس اسٹاپ پر کھڑے ٹکٹ چیکر کو کئی بار جرمانہ ادا کیا تھا۔ اس نے مہین سا کاغذ کھول کر جہان کے آگے کیا۔ اس پر بس نمبر اور سیٹ نمبر کے ساتھ ٹریول ایجنسی کا نام اور دادر آفس کا فون نمبر تحریر تھا۔ جہان نے اس نمبر پر فون لگایا۔ اسے شبہ تھا کہ صبح آٹھ بجے فون اٹھانے کے لئے وہاں کوئی موجود ہوگا بھی یا نہیں۔ مگر شکر تھا کہ تیسری رنگ پر دوسری طرف سے جواب مل گیا۔ جہان نے بیگ والی بات بتا کر بس کا نمبر بتایا اور کلینز کا فون نمبر لیا۔ پھر کلینز کو فون لگا کر اگلے اسٹاپ کے متعلق پوچھا۔

''چلو، اگلے اسٹاپ پر شاید وہ ہمیں مل جائے۔ ورنہ پھر رتنا گری تک پیچھا کرنا پڑے گا۔'' اس نے ٹکٹ واپس شیبج کو تھمایا اور فون جیب میں ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ شیبج تذبذب کا شکار یونہی کھڑی رہی۔

''اس غور وفکر میں بس نکل جائے گی۔'' جہان نے آگے جھک کر اس کی سمت کا دروازہ کھولا۔

ایک اجنبی، بھلے ہی کچھ دیر پہلے اس نے اس کی مدد کی تھی، اس کے ہمراہ تنہا، انجان راستے اور انجان منزل کے سفر پر نکلنا عقلمندی نہیں تھی مگر کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔ نہ فون تھا، نہ پیسے۔ کچھ دیر پہلے والا منظر بھی ابھی یاد میں تازہ تھا۔ اس جگہ رکنے، کسی اور سے مدد طلب کرنے، یا تنہا ہی کچھ کرنے سے بہتر تھا وہ اس چند منٹوں کے شناسا کی مدد قبول کر لیتی۔

"یا اللہ میری مدد کرنا۔ پیپر اسپرے بھی بیگ میں ہے۔" اس نے آنکھیں میچ کر آسمان کی طرف سر اٹھا کر دعا کی۔ پھر دعائیں پڑھتے اور جھجکتے ہوئے کھلے دروازے سے اندر سیٹ پر آ بیٹھی۔

"سیٹ بیلٹ!" جہان نے بیلٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اولا، اوبر اور ٹیکسی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی گاڑی میں وہ بھی ایس یو وی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ شمیع کے بیلٹ لگانے کے بعد جہان نے گوگل میپ میں بس کا اگلا اسٹاپ سیٹ کیا اور فون اسٹینڈ پر لگا کر گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ شمیع دروازے سے لگ کر بیٹھی تھی۔ گود میں رکھے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئے اس کا اضطراب صاف ظاہر تھا۔ جہان نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی تھی۔

"امی اور نبی کو میری غیر موجودگی کا علم ہو گیا ہو گا۔ اللہ کرے انہیں ٹیبل پر رکھی میری لکھی چٹ نظر آ جائے۔ صفی تو صبح اٹھ کر ٹریکنگ کے لیے نکل گیا ہو گا۔ کل اسی ٹریکنگ کی تیاری اور جلدی سونے کے چکر میں اس نے گزرے طوفان کے بعد رہ جانے والی نشانیوں پر غور ہی نہیں کیا تھا۔" کچھ ہی دیر میں اپنی سوچوں میں گم وہ پوری طرح فراموش کر بیٹھی تھی کہ کسی اجنبی کے ساتھ اس کی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہے۔ وہ کئی متضاد کیفیات میں گھری گھر سے نکلی تھی۔ سوچوں کی یلغار نے جلد ہی اس کے ذہن کو سن سا کر دیا تھا۔

"ایک وقت میں ایک مسئلہ" کے اصول پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے پہلے اس ایڈریس پر پہنچنے کا سوچا اور کچھ دیر گوگل پر سرچ کرنے کے بعد وہ ٹیکسی سے وادر پہنچی تھی۔ غنیمت تھا کہ وہاں اسے سب سے آخری بس مل گئی تھی۔ صفورا کا پریشان اور فکر مند چہرہ جیسے اس کے ذہن سے چپک سا گیا تھا تو غصے سے بلبلاتی نبی بھی بار بار آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔ اتنی ناراضگی اور طیش کے بعد بھی دونوں کے تصور نے اسکی پلکیں نم کر دی تھیں۔

"ڈونٹ وری، انشاء اللہ بیگ مل جائے گا۔" اسے روتا دیکھ جہان نے تسلی دی۔ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ شاہراہ چھوڑ کر ذیلی سڑک پر آ گئے تھے۔ راستہ خراب تھا سو وہ رفتار دھیمی کر کے بڑی توجہ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر سوچوں کے گرداب میں گم تھی۔

"سارا خاندان تو اس سے لاعلم نہیں ہو سکتا۔ کیوں کبھی کسی نے مجھ تک سچائی پہنچانے کی کوشش نہیں کی؟ کیا پتہ اشاروں کنایوں میں کسی نے مجھ سے کچھ کہا ہو مگر میں کیوں کر سمجھ پاتی۔ یہ تو میرے بدترین گمان کے سرحدوں سے بھی پرے کی خبر ہے۔ کبھی نہ کوئی شک گزرا نہ بھولے بھٹکے کوئی خیال ہی آیا۔"

"تو یہ کسی کا کمال محبت ہے یا کمال فریب!" اس کے اندر ہاتھ باندھے بیٹھی مسلسل ملامتی نظروں سے اسے گھورتی صفورا کی شبیہ نے طنز کیا۔

اس نے اضطراری انداز میں پہلو بدلا۔ پھر پیروں سے براؤن لوفرز نکالے اور دونوں پیر موڑ کر سیٹ پر رکھ لئے۔ وہ غائب دماغی سے گود میں رکھے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جہان نے رفتار کم کرتے ہوئے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ شبیع بری طرح چونکی۔ بدترین وسوسے ذہن میں کلبلانے لگے تھے۔

"آگے پتہ نہیں کوئی ہوٹل یا ڈھابہ ملے نہ ملے۔ وہاں کچھ مکان نظر آ رہے ہیں۔" جہان نے کھڑکی سے باہر دور اشارہ کیا۔ "وہاں ریکوئسٹ کر کے واش روم یوز کرنے مل جائے گا۔"

شبیع پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اسکی بے چینی کا مطلب، اس حد سے زیادہ دوسروں کی فکر کرنے والے بندے نے جو نکالا تھا، وہ مارے شرمندگی کے سرخ پڑ گئی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئی ایم فائن۔" اس نے پیر نیچے کر کے لوفرز میں ڈالیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"شیور؟" اس کے سوال پر شبیع نے مثبت انداز میں سر ہلایا۔ جہان نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"ڈونٹ مائنڈ اِٹ۔ میری چھوٹی بہن ڈائبیٹک ہے۔ اس لئے سفر کے دوران ہر ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد رکنے کی عادت ہے۔" اس نے کھڑکی سے باہر جھانکتی شرمندہ سی شبیع کو دیکھا۔

"اوہ۔ ابھی سے...... کتنی چھوٹی ہے وہ؟" اس نے اپنا رخ جہان کی طرف کیا۔

"ڈائگنوس ہوا تب وہ چار سال کی تھی فی الحال اس کی عمر سترہ سال ہے۔"

"فیملی میں اور بھی کسی کو ہو گی، مطلب پیرنٹس یا گرینڈ پیرنٹس؟"

”ابو کو ہے۔“

اب وہ گردن موڑے کھڑکی کے باہر نہیں دیکھ رہی تھی۔ اب اس کی نظر اور توجہ سامنے سڑک پر تھی۔ وہ دونوں پھر لب بستہ اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔ جہان کا فون بجا تو دونوں نے اسٹینڈ میں لگے فون کو دیکھا۔ ویڈیو کال تھی جسے جہان نے ریجیکٹ کر دیا۔ چند منٹوں بعد دوبارہ رنگ ہونے لگی۔ جہان نے سر جھٹک کر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور فون لے کر باہر نکلا۔ شیبی کالر کا نام دیکھ چکی تھی۔

”پھولن دیوی!“ اس نے دل میں دہرایا۔ ”ماں بیٹا تو بڑے مہذب لگتے ہیں۔“

”ڈرائیو کر رہا ہوں۔“ کال ریسیو کرتے ہی اس نے دانت پیستے ہوئے ارش کو جتایا۔

”ہاں تو کوئی کال کر رہا ہو تو گاڑی روک کر بات کرتے ہیں۔ کال کٹ نہیں کرتے۔“ وہ اپنے کالج کینٹین میں بیٹھی تھی۔

”کیوں فون کیا وہ بتاؤ۔“ جہان کو اندر بیٹھی شیبی کا خیال تھا اس لئے سیدھے کام کی بات پوچھی۔

”آپ بتائے بنا گوا کے لیے کیسے نکل گئے؟ اور سچ کہنا کون کون ہیں آپ کے ساتھ؟“

”اطلاع ملتے ہی تم نے مجھے لسٹ تھمائی تھی۔ وہ تم ابھی بھی مجھے ٹیکسٹ کر سکتی ہو۔“

”لسٹ تو میں نے آپ کو کب کی بھیج دی۔ آپ نے دیکھی نہیں اب تک؟ مسئلہ لسٹ کا نہیں ہے، مجھے بھی آپکے ساتھ آنا تھا۔“ ارش کی بات پر جہان نے اپنی عقلمندی کو داد دی کہ وہ صرف مما کو بتا کر نکل آیا تھا اور فی الحال اسے یہ بتانا بھی مصیبت تھی کہ لسٹ دیکھ کر بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ گوا تک نہیں جائے گا۔

”تمہیں کس لیے میرے ساتھ آنا تھا؟“

”غور سے سنیں۔“ ارش نے سینڈوچ کا لقمہ توڑ کر منہ صاف کیا۔ ”ہم لاسٹ ٹائم جو بیچ والے کھنڈر پر رکے تھے ناں وہاں سمندر کی سائیڈ والی دیوار پر میں نے اور شبان نے اپنے نام لکھے تھے۔ آپ مجھے اس کی فوٹو بھیجیں۔ بلکہ نہیں، آپ وہاں سے ویڈیو کال کریں۔ میری اور شبان کی شرط لگی ہے کہ وہ نام اب بھی وہاں ہیں یا نہیں۔“

”تمہیں اپنے نام دیکھنے میرے ساتھ آنا تھا؟“

اسکی جھنجلاہٹ کی پرواہ کیے بنا ارش نے بڑے مدبرانہ انداز میں سر ہلایا۔

''آپ نے بتایا نہیں کون کون ہیں آپ کے ساتھ؟ بنٹی، ببلی تو ضرور ہی ہوں گے۔'' اس نے نوید اور ظفر کے نام بنٹی اور ببلی رکھے تھے۔

''رکھو فون۔ ورنہ میں ابھی مما کو فون لگا کر بتاتا ہوں کہ ڈرائیونگ کے دوران تم مجھے ڈسٹرب کر رہی ہو۔''

''آپ چھپا کیا رہے ہیں مجھ سے؟'' اس کی دھمکی نظر انداز کر کے ارش نے اپنے مخصوص جاسوسوں والے انداز میں آنکھیں چھوٹی کیں۔

''اللہ حافظ!'' جہان نے ہاتھ ہلا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آیا تو مسکرا رہا تھا۔ شبیع جو ان دونوں کی گفتگو کا مزا لے رہی تھی، انجان بن گئی۔

''یہ میری چھوٹی بہن ارش تھی۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ''میں اسی کی بات کر رہا تھا۔''

''اچھا۔'' وہ سر ہلا کر مسکرائی۔

''مزید پندرہ بیس منٹ کا راستہ ہے۔'' اس نے دوبارہ فون اسٹینڈ پر لگاتے ہوئے کہا۔

''ایک بار کال کر کے انفارم کر دینا چاہئے کہ ہم پہنچ ہی رہے ہیں تا کہ وہ ہمارے لیے رک جائیں۔''

شبیع کے مشورے پر اس نے اسٹینڈ پر لگے فون سے ہی کال لگا کر اسپیکر پر کلینز سے بات کی۔ جب وہ اس چھوٹے سے دیہات کے بس اسٹاپ پر پہنچے تو دور سے ہی بس اور بس کے باہر کھڑا کلینز نظر گیا۔ جہان کے گاڑی روکتے ہی وہ دروازہ کھول کر اس طرف دوڑی۔

''بڑی لاپرواہ ہو تم۔'' کلینز نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے مراٹھی میں کہا۔

''پتہ ہے مجھے بھی۔'' اس نے بھی مراٹھی میں چڑ کر جواب دیا۔ جہان قریب آیا تو وہ قدرے ایک طرف ہو کر بیگ کھول رہی تھی۔ وہ براؤن ''لڑکیوں والا'' بیگ پیک تھا۔ جسے ارش کو چڑانے کے لیے وہ اور شایان ''زنانہ بیگ پیک'' کہتے تھے۔ شبیع نے فون اور والٹ کی موجودگی کا یقین کر لینے کے بعد فون پاور آن کیا۔ تبھی کے ٹیکسٹ میسجز تھے۔ پہلا میسج تھا۔

''کم ظرف عورت! فون نہیں اٹھانا ہے مت اٹھاؤ مگر آن تو رکھو۔''

پھر دوسرا ''امی کی تسلی کے لیے ایک میسج ہی کر دو۔''

تیسرا تھا ''زندگی بھر معاف نہیں کروں گی تمہیں۔''

اگلا میسج تھا، ''پہنچ گئی اپنوں میں؟''

آخر میں لکھا تھا، ''مردِ تم۔''

اس نے تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے ٹائپ کیا۔ ''میں ٹھیک ہوں، بتا دینا۔'' میسج سینڈ کرنے کے بعد اس نے فون پھر پاور آف کر کے بیگ میں ڈالا۔ پانی کی بوتل منہ کو لگائی تو ایک دم بھوک کا احساس بھی جاگا۔ بیگ سے ایسے وقتوں کا سہارا پارلے جی نکالا۔ ممبئی شہر میں موسم کا مزاج بگڑے یا سیاسی درجہ حرارت بڑھنے لگے، سب سے پہلے متاثر ہوتے ہیں نقل وحمل کے ذرائع۔ کبھی کوئی حادثہ یا پھر لوکل ٹرین کی لائن میں کوئی تکنیکی خرابی، ان حالات میں آپ کو گھر پہنچنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو بس، ٹرین یا کسی مقام پر پھنس گئے تو وہیں گھنٹوں گزر جاتے ہیں۔ ایسے حادثوں اور موقعوں کے لئے صفورا سب کے بیگ میں ہمیشہ کچھ بسکٹس اور پانی کی بوتل رکھنے کی ہدایت کے ساتھ گاہے بگاہے بیگ میں دونوں چیزوں کی موجودگی کا خود دیکھ کر یقین کرتی تھیں۔

پیکٹ کھول کر بسکٹ کھاتے ہوئے اس نے سامنے دیکھا تو جہان والٹ سے نوٹ نکال کر کلینز کو دے رہا تھا۔ نوٹ تھام کر اس نے پورے دانتوں کی نمائش کی اور شیج پہ ایک نگاہ ڈال کر بس میں چڑھ گیا۔

''بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔'' قریب آ کر اسے بسکٹ کھاتے دیکھ جہان نے اعلان کیا تو شیج نے جھٹ پارلے جی کا پیکٹ اسے پیش کیا۔

''ناشتے کا وقت ہو رہا ہے۔'' اس کی پیشکش نظر انداز کر کے جہان نے ذرا فاصلے پر بنے ہوٹلوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہاں چل کر ناشتہ کرتے ہیں۔''

اسے شکریہ کے ساتھ وہ نوٹ لوٹانا تھا جو ابھی اس نے کلینز کو دیا تھا اور کچھ شدید بھوک کا احساس تھا کہ وہ چپ چاپ اسکے پیچھے ہولی۔ تین ہوٹلوں میں سے نسبتاً غنیمت ہوٹل کا انتخاب کر کے وہ سیدھا کاؤنٹر پر گیا جبکہ شیج ٹوٹے پھوٹے واش روم کی طرف۔ وہ فارغ ہو کر آئی تو وہ ٹیبل پر بیٹھا رومال سے گیلا چہرہ اور ہاتھ صاف کر

رہا تھا۔اس کے بیٹھتے ہی ویٹر بھی حاضر ہو گیا۔

''فی الوقت یہ ہی اویلیبل تھا۔''اس نے سامنے رکھے انڈا بھرجی اور مسل پاؤ کی طرف اشارہ کیا۔

''کچھ نیا کامبینیشن ہے۔''شیبی نے مسکرا کر ایک پلیٹ اپنے آگے کی اور صحیح معنوں میں دائیں بائیں اور سامنے سے بے خبر ہو کر پلیٹ پر ٹوٹ پڑی۔جہان نے بڑی دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا۔

''جہان۔''اس نے دوسری پلیٹ اپنے آگے کھینچی۔''جہان مرزا نام ہے میرا۔''

تیزی سے چلتے ہاتھ اور منہ روک کر شیبی جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔

''کیا بھوکے ننگوں کی طرح ٹوٹ پڑی میں، حد ہے۔''اس نے خود کو کوسا۔

''شیبی شیخ!''اس نے خجل چہرے کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔

''ہم۔''

اسے جہان کا یہ''ہم''بھی مزے لیتا محسوس ہوا۔جہان نے اس کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا گویا کہہ رہا ہو، ''جاری رکھو۔''اور خود اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔دونوں ہی رات سے بھوکے تھے سو خاموشی سے اپنی پلیٹیں صاف کرتے رہے۔

''چائے یا کافی؟''ویٹر خالی پلیٹیں لینے آیا تو جہان نے دریافت کیا۔

''چائے۔''شیبی کو اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ویٹر سے چائے کا کہنے کے بعد جہان نے اس سے پوچھا۔

''تمہیں جانا کہاں ہے؟''اس کی بتائی جگہ کا نام اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

شیبی نے بیگ سے چھوٹی ڈائری نکالی اور پتے والا صفحہ کھول کر اس کے سامنے رکھا۔جہان نے گوگل میپ پر اس جگہ کا نام لکھ کر فون ٹیبل پر رکھا۔

''زیادہ دور نہیں ہے۔میری منزل یہ ہے اور تمہاری یہ۔مجھے یہیں سے گزر کے آگے جانا ہے۔میں راستے میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔''وہ اسکرین پر انگلی کے اشارے سے اسے بتا رہا تھا۔وہ چپ رہی۔تذبذب اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔

"آنسلی، حالات حاضرہ کے مدنظر تمہیں یوں تنہا سفر نہیں کرنا چاہیے وہ بھی اس انجان روٹ پر پہلی بار۔ تمہارے پاس اس بیوقوفی نما بہادری کی کوئی وجہ ہو لیکن مجھے یہ مناسب نہیں لگتا کہ ایک ہی راستے پر ہم الگ الگ جائیں۔" اس کی صاف گوئی پر وہ جز بز ہو گئی۔

"ویسے بھی مما نے تمہیں گھر تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔" اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ تبھی ویٹر بل لے کر آ گیا۔ اس نے سرعت سے بیگ کھول کر والٹ نکالا۔ جہان اپنا والٹ نکالتا تب تک اس نے ویٹر کو بل کے ساتھ پیسے تھما دیئے تھے۔

"تم نے کلینز کو کتنے پیسے دیئے؟"

"حساب برابر۔" جہاں نے دور جاتے ویٹر کی طرف اشارہ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ باہر نکلا تو شیع بھی اسکے پیچھے دوڑی۔

جہان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا مگر وہ بیگ سینے سے لگائے باہر ہی کھڑی تھی۔ جہان نے ہارن بجا کر اسے متوجہ کیا۔ شیع نے اس کی طرف پشت کی اور آنکھیں میچ کر سر اٹھا کر دعا مانگی۔

"یا اللہ، پیپر اسپرے ہے میرے پاس، پھر بھی تیری مدد درکار ہے۔" ایک لمبی سانس لے کر وہ جہان کے برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"یہ بیوقوفی نہیں ہے۔ ہمارے کالج میں ریگولر سیلف ڈیفنس ورکشاپس ہوتی تھیں اور میں نے ایک بھی مس نہیں کی تھی۔" سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اس نے جہان کو آگاہ کیا۔ "اور تھوڑے بہت کراٹے بھی جانتی ہوں میں۔"

جہان کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

"یہ میرے لئے اطلاع ہے یا وارننگ؟" جہان نے سوچا۔

"گڈ!" ایک توصیفی نظر اس پر ڈال کر جہان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

دونوں ہی چپ چاپ اپنے خیالوں میں گم تھے۔ بڑی دیر بعد فون کی آواز پر دونوں کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔

"مام کالنگ۔" دونوں نے ایک ساتھ فون کو دیکھا۔

جہان نے ڈیش بورڈ کے گلوباکس سے بلیوٹوتھ ہیڈسیٹ نکال کر کان میں لگایا۔

"السلام علیکم مما۔"

"ہاں۔کرلیا۔"

"نہیں، جارہے ہیں۔راستے میں ہیں۔اوکے، پہنچ کر کال کرتا ہوں۔"

"اللہ حافظ۔" وہ ڈرائیونگ کررہا تھا اس لئے تسمیہ نے اختصار سے کام لیتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

"مما پوچھ رہی تھیں تمہیں گھر ڈراپ کیا یا نہیں۔" ہیڈسیٹ کان سے نکالتے ہوئے جہاں نے اسے دیکھا۔

وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"ویسے میرا خیال ہے کہ تم اپنے گھر نہیں جارہی ہو۔" اس کے فقرے کا "اپنے گھر" اسے ٹھاہ کر کے لگا۔

"سوری۔" اس کا متغیر چہرہ دیکھ کر جہان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ حد پھلانگ گیا ہے۔

"میرا گھر ممبئی میں ہے۔" وہ جلد ہی سنبھل کر گویا ہوئی۔اس کے اندر بیٹھی صفورا کی شبیہہ تمسخرانہ مسکرائی تھی۔اس کے اندر چل رہے مذاکرات میں دھڑا دھڑ اٹھ رہے سوالات اور نئے نئے امڈتے خیالات اسے پاگل کرنے کو تھے۔کچھ دیر پہلے ملا یہ اجنبی سامع بن کر اسے پاگل ہونے سے بچا سکتا تھا اور پھر ذرا دیر بعد اس اجنبی سے دوبارہ ملنے کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔

"اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس انجان راستے پر میں پہلی بار سفر کررہی ہوں۔" اس نے کھڑکی کے شیشے کے پار گزرتے سرسبز شاداب اور خوشنما منظر کو دیکھا۔

"کل تک مجھے بھی علم نہیں تھا کہ اس علاقے سے میرا اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہے کہ آج میں یہاں پہنچ جاؤں گی۔"

جہان نے گردن موڑ کر اس سے دیکھا۔اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ایک بار پھر اس نے پیروں سے لوفرز نکالیں اور پیر موڑ کر سیٹ پر رکھ لیے۔اب اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں۔

"کل تک میری ایک پرفیکٹ فیملی تھی۔ابو چار سال پہلے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔پھر بھی ہم ایک طرح سے

مکمل تھے۔ میں، نبی، صفی اور......اور امی۔" گلے میں اٹک رہے پھندے نے اسے چند پلوں کے لیے روک دیا تھا۔

"لیکن کل میں نے جانا کہ ابو کے بعد وہاں میرا ک......کو......کوئی نہیں۔ میں چھوٹی تھی، نا سمجھ تھی تب تک سمجھ میں آتا ہے کہ کسی نے مجھے بتایا نہیں لیکن اس کے بعد......اسکے بعد تو یہ سراسر زیادتی ہے، حق تلفی ہے۔ مجھے میرے پیدائشی اور بنیادی حق سے محروم رکھا گیا اور میں یک طرفہ معاملہ سن کر کیسے مان لوں کہ مجھے سنائی گئی کہانی سچ ہے۔" وہ لاشعوری طور پر اپنے قدم کو جائز ٹھہرانے کے جواز ڈھونڈ رہی تھی مگر حقیقتاً اس کا ہر جملہ خود اذیتی کی مثال تھا۔

"میں نے نہ کچھ غلط کیا، نہ کچھ غلط کہا۔" شیج نے سڑک سے نظر ہٹا کر جہان کو دیکھا جیسے وہ ابھی اس کی تائید کرے گا۔

"یہ ریڈل میری سمجھ میں آئے تو بتاؤں، صحیح کیا یا غلط۔" جہان نے اس الجھی لڑکی پر ایک نرم نگاہ ڈالی۔

"میں اس ہستی سے ملنے نکلی ہوں جس نے مجھے جنم دیا تھا۔" الفاظ کے انتخاب میں اسے کچھ وقت لگا۔ اس کا دل "ماں" کہنے کے لئے آمادہ نہیں ہوا تھا۔" اور اس ہستی کے وجود سے میں کل تک بے خبر تھی۔"

"اوہ......" جہان نے ابرو اچکا کر سر ہلایا۔ کئی لمحے چپکے سے سرک گئے۔

"اس حقیقت کے باوجود اگر تمہاری فیملی پرفیکٹ تھی۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد جہان آہستگی سے بولا تھا۔

"تو اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی پرفیکٹ ہی ہونا چاہیے۔"

اس کی اس گہری بات پر ہاتھ باندھے بیٹھی صفورا کی شبیہہ بڑے انداز سے اترائی تھی۔ اس نے پیر نیچے کر کے لوفرز پہن لئے۔

"آرام سے بیٹھو۔ بیگ پیچھے سیٹ پر رکھ دو۔" اس کی بے آرامی دیکھ کر جہان نے مشورہ دیا۔ شیج نے عمل کرتے ہوئے بیگ فوراً پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"کوئی میرا حال نہیں سمجھ سکتا۔" اسے ایک دم رونا آ گیا۔

"کون سے کالج سے ہو؟" لمبی خاموشی گمبھیر ہونے لگی تو جہان نے پھر بات شروع کی۔

''اس سال میرا ماسٹرز مکمل ہو گیا ہے۔''

''سائنس؟ آرٹس۔؟''

''کامرس۔''

''آگے جاب یا پی ایچ ڈی۔''

اس کی بات کے بیچ ہی وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ آگے تو اس کے بڑے پلان تھے مگر ماضی نے سامنے آ کر مستقبل غیر یقینی کر دیا تھا۔

''امی کا کوچنگ سینٹر ہے، وہیں امی کے ساتھ پڑھاتی ہوں۔''

''اور تم؟'' اسے رونا آئے جا رہا تھا سو ایسے میں خاموش بیٹھنا آنسوؤں کو ہوا دینے کے مترادف تھا۔

''ایم بی اے کے بعد ابو کے ساتھ بزنس میں ہی لگا ہوں۔''

''ممبئی سے ہی ہو ناں؟'' اپنے شہر والوں کو پہچاننا آسان تھا۔ جہان نے سر ہلا کر ''ہاں'' کہا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''آں...... دوست کی شادی میں۔''

اس کے انداز پہ وہ ٹھٹکی۔

''کہاں ہے شادی؟''

''رتنا گری سے آگے بیچ کے قریب ایک ریزورٹ میں ہے۔'' اس نے رشک سے سر کو جنبش دے کر بھنویں چڑھائیں۔

''اگر اخبار پڑھتی ہو تو سبحان ملک کو جانتی ہو گی۔''

''وہ سیاستدان سبحان ملک جو فی الحال......''

''ہاں وہ ہی...... سبحان ملک کی بیٹی کی شادی ہے۔''

شبیع کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تمہارے ابو کا نام کیا ہے؟''

اس کا سوال سمجھ کر وہ ہنس دیا۔

"میرے ابو سیاستدان نہیں ہیں۔ وہ عام سے انسان ہیں۔ صاحبہ میری کلاس میٹ اور دوست تھی۔"

"اچھا۔ دوست تھی۔ اور تم اتنی دور اس کی شادی میں شریک ہونے جا رہے ہو؟" مسلسل ایک ہی نہج پر چل رہے ذہن کو تبدیلی کی ضرورت تھی اور جہان کی باتوں نے دلچسپی کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ اس کے بدلتے موڈ کو محسوس کر کے جہان مسکرایا۔

"دوست کے علاوہ اسے وہ پہلی لڑکی ہونے کا شرف حاصل ہے جو مجھے پسند آئی تھی۔"

"صرف پسند آئی تھی؟"

"ہم ...... معاملہ اس سے آگے بڑھا ہی نہیں۔"

"کیونکہ وہ سیاستدان کی بیٹی تھی؟"

"نہیں۔ مجھے لگا تھا کہ مما اسے اپرو نہیں کریں گی۔"

"مطلب صرف شروعات تھی اور وہ بھی یک طرفہ۔"

"کاش یہ یک طرفہ ہی رہتی۔" جہان نے دل میں سوچا۔

"تمہاری کلاس میٹ، جسے پسند کرنے کے بعد بھی تم نے دوست تک ہی محدود رکھا اور اب اتنی دور اس کی شادی میں تنہا شریک ہونے جا رہے ہو وہ بھی شاید گھر والوں سے جھوٹ کہہ کر۔" نقطے سے نقطہ جوڑ کر اس نے واضح خط بنانے کی کوشش کی۔

"میں بالکل اجنبی ہوں اور کچھ گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ ملوں گی بھی نہیں۔ اس لیے دروغ گوئی کا کوئی فائدہ ہے نہ سچ کہنے میں کوئی ضرر۔" اس نے مسکرا کر واضح کیا۔

جہان نے پر سوچ نظر اسکی سمت کی۔ ظفر اور نوید بھی اسکے اچانک شادی میں جانے کے فیصلے پر حیران تھے۔ پہلی بار اس نے تسمیہ سے بھی جھوٹ کہا تھا کہ دوست کی شادی میں جا رہا ہے اور باقی دوست مع ظفر اور نوید کے پہلے ہی نکل گئے ہیں۔ آدھا راستہ طے کر لینے کے بعد وہ خود بھی متزلزل تھا کہ آگے سفر جاری رکھے یا پلٹ جائے؟ شیبی پہ نظر پڑنے سے پہلے مما سے بات کرتے ہوئے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ لوٹ جانا چاہیے۔ اس نے

شیبع سے نظر پھیر کر راستے پر مرکوز کی۔

''صاحبہ میری پسندیدگی سے واقف تھی۔اس نے میرے وہیں رک جانے کو ریجیکشن اور کسی حد تک انسلٹ کی طرح لیا۔اس کی رویے اور ردعمل سے ظاہر تھا کہ وہ بہت ہرٹ ہوئی ہے۔اس نے براہ راست یا صاف لفظوں میں کبھی کچھ نہیں کہا۔ہماری دوستی تو قائم رہی مگر ہمارے بیچ ایک ان دیکھی سرد جنگ ہمیشہ چلتی رہی۔وہ باتوں باتوں میں یا کبھی مباحثے کے دوران یہ جتانا نہیں بھولتی تھی کہ مما کی وجہ سے میں نے اپنی فیلینگز کا گلا گھونٹا ہے۔ان شارٹ وہ ہر طریقے سے یہ کہا کرتی تھی کہ دیکھتی ہوں کیسے تمہیں مجھ سے بہتر کوئی ملتی ہے اور کیسے تمہاری مما تمہاری پسند کو بخوشی اپناتی ہیں۔اور پھر......'' وہ ذرا ٹھہرا۔'' کل جب اس نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا کہ میں شادی میں آ تو رہا ہوں نا تب اس نے اعتراف کیا کہ آج بھی اسے یقین ہے کہ کالج میں میں اس سے محبت کرتا تھا لیکن مما نے اسے ریجیکٹ کر دیا تھا اور یہ کہ آج بھی میں اسی لیے تنہا ہوں کہ اسے بھول نہیں پایا ہوں۔ جبکہ اس کی دونوں بلکہ تینوں ہی باتیں غلط ہیں۔''

''تینوں باتیں کیسے غلط ہیں؟''

''مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔مما نہ کبھی اس سے ملیں نہ کبھی اسے دیکھا تو ریجیکٹ کہاں سے کرتیں۔''

''اگر تمہاری مما، صاحبہ سے ملیں ہی نہیں تو تم نے کیسے سوچ لیا کہ وہ انہیں پسند نہیں آئے گی؟''

''کالج کے فرسٹ ایئر میں صاحبہ کو پہلی بار دیکھنے اور سرسری ملاقاتوں کے بعد وہ مجھے اچھی لگی تھی۔پھر جلد ہی ہمارا گروپ بن گیا۔اس کے بعد اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔کیونکہ اس دنیا میں میری مما کو مجھ سے بہتر کوئی اور نہیں جانتا، میرے ابو بھی نہیں۔''

جہان کے یقین پر شیبع نے اسے ستائشی نظروں سے نوازا۔

''ویسے اگر صاحبہ بھی تمہاری مما سے کبھی ملی نہیں تو اسے کیوں لگا کہ انہوں نے اسے ریجیکٹ کیا ہے؟''

''ہاہاہا۔سبھی کو میرے اور مما کے اسپیشل بونڈ کا پتا ہے۔میرے لئے ان کے گرین سگنل سے بڑھ کر کچھ نہیں۔''

اسے ذرا دیر پہلے والی ماں بیٹے کی گفتگو یاد آ گئی۔

"میری پیدائش کے وقت میری مما کی عمر پورے اٹھارہ سال بھی نہیں تھی۔"

جہان کی بات پر اس کا حیران ہونا عجب نہیں تھا۔

"ابو اور مما کا ایج ڈیفرنس بارہ سال ہے۔ یوں سمجھو میں اور مما ایک ساتھ بڑے ہوئے ہیں۔" اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسا۔

"کم عمری میں ذمہ داریوں اور نا مساعد حالات کے باوجود انہوں نے بڑی محبت، محنت اور لگن سے اپنا گھر جنت بنایا ہے۔ اگر آج وہ ابو اور ہم تینوں کی زندگی کا محور ہیں تو وہ یہ ڈیزرو کرتی ہیں۔"

شمیح کے اندر "بڑی محبت، محنت اور لگن سے اپنا گھر جنت بنانا ہے۔" کی تکرار ہونے لگی تھی۔

"میری نانی کے انتقال کے بعد نانا نے دوسری شادی کر لی تھی اور دوسری نانی ٹیپیکل کہانیوں والی سوتیلی ماں تھیں۔" جہان اپنی کہے جا رہا تھا اور شمیح کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

"مما اس وقت دس گیارہ سال کی تھیں۔ یہاں ہماری دادی سدا کی مریض۔ ابو گھر میں سب سے بڑے تھے سو گھر سنبھالنے کے لیے ایک عدد میڈ کے کل وقتی انتظام کی خاطر ابو کی شادی مما سے کر دی گئی۔ میری مما سترہ سال کی عمر میں گھر کے کاموں میں طاق ہو چکی تھیں۔" اس نے رک کر ایک گہری سانس لی۔

"ابو نے دونوں چاچا اور دونوں پھپھیوں کی تعلیم اور شادی کی ذمہ داریاں نبھائیں اور مما نے اتنا بڑا خاندان سنبھالا۔ جہاں وہ صرف رشتے میں بڑی تھیں، عمر میں باقی سب ان سے بڑے تھے۔ مگر کسی نے انہیں عمر کی رعایت نہیں دی تھی۔ خیر وہ وقت گزر گیا۔ دادا کے بعد جائیداد اور بزنس کی تقسیم ہونے پر جب سب علیحدہ ہوئے تب جیسے مما اور ابو نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا۔"

وہ بڑی خوشدلی سے مسکرا رہا تھا۔

"اب وہ اس کھوئے وقت کی بھرپور طریقے سے تلافی کرتے ہیں۔ ان کی قربانیوں اور اچھی نیت کا ثمر ہے کہ آج ہماری فیملی ہر لحاظ سے سب سے خوشحال ہے۔" بات کے اختتام پر وہ شمیح کو دیکھ کر مسکرایا جواباً وہ بھی مسکرائی تھی مگر اندر ذرا دیر پہلے والا سکون غائب تھا۔

"تم سب سے بڑے ہو؟"

''ہاں۔میرے بعدارش اوراس کے بعد شبان۔ارش مجھ سے دس سال چھوٹی ہے جبکہ شبان اس سے ڈیڑھ سال چھوٹا ہے۔''

تبھی اس کے فون پر ظفر کی کال آنے لگی۔اس نے بلیوٹوتھ ہیڈ سیٹ نکال کر کان میں لگایا اور شمیع نے سیٹ کی پشت پر سر ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔

''یہ کیا کرنے جارہی ہوں میں؟''اس نے خود سے سوال کیا۔جواب میں پھراندر توتو میں میں شروع ہوگی۔

کال ختم کر کے جہان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جس کا چہرہ اندرونی کشمکش کا''سائن بورڈ''بنا ہوا تھا۔وہ کبھی لب بھینچتی تو کبھی آنکھیں زور سے میچ لیتی،کبھی گردن کو جنبش دیتی تو کبھی لب کاٹنے لگتی۔جہان نے موبائل سکرین پر بتدریج گھٹتی بلولائن کو دیکھا۔اس کی منزل تک پہنچنے تقریباً گھنٹے بھر کا وقت تھا۔کتنی ہی دیر بعد اچانک سڑک پر نظر آنے والے گڑھے کو دیکھ کر جہان بریک لگایا تو جھٹکے پر وہ بھی جیسے نیند سے جاگی۔

''سوری۔''

''اور کتنا وقت ہے؟''اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تیس پینتیس منٹ۔''

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔اس نے اسکول میں سے ہادری اور ویسٹرن گھاٹ پڑھا تھا۔دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔بحرہ عرب سے لگا ملک کا یہ مغربی ساحلی علاقہ جو چار ریاستوں میں پھیلا تھا،بے شک خوشنما مناظر سے بھرا تھا۔اس نے اپنی کوئی دوستوں سے اکثر اس علاقے کی خوبصورتی کے متعلق سنا تھا اور آج خود بھی قائل ہوگئی تھی۔کئی ندیاں اوران پر بنے چھوٹے چھوٹے پل گزر رہے تھے۔ستمبر کا مہینہ تھا سو بارش کی خوش رنگ مہربانیاں ہرسو بکھری تھیں۔

''میں کھڑکی کھولوں؟''اس نے پلٹ کر جہاں سے پوچھا۔جہان نے اے سی بند کر کے کھڑکیاں کھول دیں۔شمیع نے ہاتھ باہر لہرا کر سردسی ہوا محسوس کی پھر دونوں کلائیاں کھڑکی پر رکھ کر آگے جھک کر ذرا سا سر باہر نکالا۔سیکنڈ ہی لگے تھے دوپٹہ اور بالوں کا حال ہونے میں۔اس نے فوراً سر اندر کیا۔

''ایسی مست ہوا ہے کہ اے سی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' دوپٹہ اور بال درست کر کے اس نے شیشے آدھے چڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس راستے پر گرد تھی کافی اس لیے!'' اس کا اشارہ بیگ کے لیے بس کے پیچھا کرنے والے راستے کی طرف تھا۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے انگلیاں مروڑتی رہی پھر کچھ سوچ کر پیچھے سے بیگ اٹھا کر فون نکالا اور پاور آن کیا۔ حسب امید نہی کے میسجز تھے۔

''زندہ ہونے کی خبر پہنچانے کا شکریہ۔''

''پہنچ گئی اپنوں میں؟''

''سیلفی ضرور بھیجنا۔''

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بار بار اس کے میسجز پڑھے جا رہی تھی۔

''میں بالکل اجنبی ہوں اور کچھ گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ ملوں گا بھی نہیں۔'' جہان کی بات پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کا جملہ دوہرا رہا تھا۔ ''اس لیے دروغ گوئی کا کوئی فائدہ ہے نہ سچ کہنے میں کوئی ضرر!''

اسے لفظ بہ لفظ یاد تھا۔ اس نے اداسی سے مسکرا کر فون آف کیا اور فون بیگ میں ڈال کر غائب دماغی سے بیگ کی زپ آگے پیچھے کرنے لگی۔

''چیزیں کھونے اور گم کرنے والی میری عادت بڑی پرانی اور مشہور ہے۔ اسکول اور کالج میں جب بھی ڈاکیومنٹس کی ضرورت پڑی، ڈاکیومنٹس سنبھالنے کے لیے امی ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔ مارک شیٹس کے علاوہ کسی اور پیپر کو میں نے کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا۔ فرسٹ ائیر میں بھی اتفاق سے میں نے ٹینتھ کے رزلٹ پر امی کے نام کی جگہ سمیرا لکھا دیکھا۔ میرا ٹینتھ کا رزلٹ ابو نے آن لائن دیکھا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ مارکس پر تھی اس لیے میں نے کسی اور بات پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میرے استفسار پر امی نے کہا کہ ان معاملات میں ہمارے یہاں عموماً جو اسپیلنگ مسٹیکس ہوتی ہیں، یہاں بھی وہ ہی ہوا ہے۔ صفورا سمیرا ہو گیا ہے اور آگے ڈاکومینٹس میں ''مدر نیم'' استعمال نہیں ہوتا ہے اس لئے کسی نے کریکشن بھی نہیں کروایا۔ مجھے ان کی بات درست لگی۔ میں نے مان لی اور بھول بھی گئی۔'' اس نے ہاتھ کی مصروفیت روک کر اسے دیکھا۔

”کل رات اپنی کتابوں والی الماری کی صفائی کے دوران ابو کی کچھ پرانی فائلیں بھی نکلیں۔اسی میں مجھے شادی کا پرانا کارڈ ملا جس پر ابو کے نام کے ساتھ دلہن کے نام کی جگہ ہمیرا لکھا تھا، دلہن کے والد کا نام بھی نانا کا نام نہیں تھا۔اور شادی کی تاریخ میری پیدائش سے تقریباً دس ماہ پہلے کی تھی۔ مجھے مارک شیٹ یاد آ گئی۔ میں وہ لے کر امی کے پاس گئی۔“ اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔صفورا کا چہرہ سامنے آتے ہی بڑی شدت سے سینے میں درد لہرایا تھا۔حیرانی، دکھ، تاسف اور پتہ نہیں کیوں اور کیسے پہلی بار اسے صفورا کے چہرے پر ندامت اور جرم کی رمق نظر آ رہی تھی۔جس تیزی اور بے قراری سے وہ اس کی سمت بڑھی تھی، ”شبیح میری جان!“ اسی رفتار سے وہ پیچھے ہٹی تھی۔اس نے آنکھیں کھول دیں۔اس کے چہرے پہ بکھرا الم اس پل جہان کو بہت کھلا تھا۔

”ساری عمر جو میری ماں رہیں، دراصل ان سے میرا کوئی خونی رشتہ ہی نہیں اور مجھے دنیا میں لانے والی چند دنوں کی عمر میں ہی مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔زبردستی کی شادی جو وہ کچھ دنوں میں ہی ختم کرنا چاہتی تھیں، میری آمد کے انتظار میں انہیں میری پیدائش تک چلانی پڑی تھی۔“ اسے یاد آیا صفورا کی اس بات کے جواب میں اس نے کس بدتمیزی سے کہا تھا۔

”میں کیسے مان لوں، جو اپنی کہانی اور صفائی کے لیے یہاں موجود نہیں ہے اس کے بارے میں مجھے سچ کہا جا رہا ہے۔اتنے سال اندھیرے میں رکھ کر آپ نے مجھے میرے بنیادی اور فطری حق سے محروم رکھا، جس کا آپ کو کوئی حق نہیں تھا۔“ اس نے عارض پر پھسلتے آنسو ہتھیلی میں جذب کیے۔

جہان نے رفتار کم کر کے پاس بیٹھی اداس اور الجھی لڑکی کو دیکھا۔

”تو تم بھی میری طرح لمحوں میں فیصلہ کر کے گھر سے نکلی ہو۔“ اس نے دل ہی دل میں شبیح کو مخاطب کیا۔

”نہ بتانے کی ان کے پاس ضرور کوئی وجہ ہو گی۔“ جہان نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”کوئی بھی وجہ میری رگوں میں دوڑتے خون کی حقیقت سے بڑی نہیں ہو سکتی۔“ لب بھینچ کر بیٹھی صفورا کی شبیہہ نے اٹھ کر اسے زوردار طمانچہ رسید کیا۔

”تمہارا ردعمل سمجھ میں آتا ہے مگر ایک بات بتاؤ، تمہیں دکھ کس بات کا ہے، اپنی سگی ماں سے اب تک بے خبر رہنے کا یا اب تک جسے ماں سمجھتی رہی اس کے سگی ماں نہ ہونے کا؟“ وہ جس اہم سوال سے نظریں چرا رہی

تھی، جہان نے بڑے آرام سے پوچھ لیا۔

''ایمانداری سے کہوں تو، اس کا جواب مجھے بھی نہیں پتہ۔'' اس نے تھک کر پیچھے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد جہان گویا ہوا۔

''تم گھر میں بتائے بنا نکلی ہو۔'' یہ استفسار تھا یا اعلان، اس نے نہ جواب کی ضرورت سمجھی نہ توثیق کی۔

''تمہیں انہیں فون کر کے بتا دینا چاہیے۔''

''میں نے نُہی کو ٹیکسٹ کر دیا ہے۔'' وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔ ''ویسے بھی مجھے ایڈریس امی نے خود لا کر دیا تھا کہ اگر میں ملنا چاہتی ہوں تو وہ خود مجھے لے چلیں گی۔''

''تو تم ذرا صبر ہی کر لیتی۔'' صفورا کی شبیہہ نے دانت پیسے۔ اسے لفظ بہ لفظ یاد تھا۔

''مجھے تمہاری ماں کی جگہ تمہارے ابو نے دی تھی۔ مجھے محبت پہلے تم سے ہوئی تمہارے ابو سے بعد میں۔'' صفورا نے آنسو روکنے کا جتن نہیں کیا تھا۔ ''سمیرا کے بارے میں نہ بتانے کا فیصلہ تمہارے ابو کا تھا۔ میرا قصور یہ ہے کہ اتنے سالوں میں میں فراموش کر بیٹھی تھی کہ سمیرا تمہاری ماں ہے۔ یہ اس کا ایڈریس ہے۔ تم جب کہو میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گی۔'' وہ کاغذ کا پرزہ پلنگ پر اسکے سامنے رکھ کر چلی گئی تھیں۔

''ہم تقریباً پہنچ ہی گئے ہیں۔'' جہان کی آواز پر اس کا تخیل ٹوٹا۔

وہ بستی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ دیہات تو نہیں بلکہ چھوٹا سا شہر لگ رہا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''یہاں پہنچنے کے بعد کیا؟'' ذہن کی ساری کھڑکیاں اور دروازے اس سوال کے جواب میں جیسے احتجاجاً بند ہو گئے تھے۔ اس نے بیگ سے بوتل نکال کر خشک پڑتے حلق کو تر کیا۔

''میں یہیں اتر جاتی ہوں۔'' گاڑی کشادہ سڑک پر چھوڑ کر تنگ گلیوں میں داخل ہوئی تو شیح نے کہا۔

''پہنچ گئے۔'' اس نے کنارے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

''ویسے میں آج رات ہی واپس جاؤں گا۔ اگر تم بھی......''

''نہیں۔'' اس نے قطع کلامی کی۔ ''آگے کیا ہوگا، کتنا وقت لگے گا، میں کہاں اور کب جاؤں گی، کچھ بھی یقینی

نہیں ہے۔"

"اوکے۔" اس نے بھی مزید اصرار نہیں کیا۔ "مکمل ایڈریس دینا۔"

شبیح نے ڈائری نکالی اور ایڈریس والا صفحہ کھول کر ڈائری اس کی طرف بڑھائی جسے تھام کر وہ باہر نکل گیا۔

ذرا آگے چل کر سڑک کی دوسری طرف نظر آرہے میڈیکل اسٹور میں جا کر وہ کچھ دیر بعد واپس آیا۔

"وہ سامنے گلی میں آخری مکان ہے۔" اس نے اسی میڈیکل اسٹور سے لگی گلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیگ لیے نیچے اتر آئی۔

"آل دا بیسٹ۔" ایک مخلص مسکراہٹ کے ساتھ جہان نے اسے حوصلہ دیا۔

"تھینکس۔ سب کے لئے، ان ڈرائیوروں سے بچانے، بیگ، لفٹ اور سننے کے لیے۔"

"آئی ہوپ جو الجھنیں ہیں وہ وہاں جا کر سلجھ جائیں۔" اس نے سامنے گلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم اضطراری ردعمل اور لمحاتی فیصلے کے بعد گھر سے نکلی ہو۔" وہ رک کر سوچنے لگا کہ آگے کی بات کہے یا نہ کہے۔

"میں سن رہی ہوں۔" شبیح نے اس کی مشکل آسان کی۔

"میرے خیال میں رشتے صرف سگے سوتیلے نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہم ہر تعلق کو اچھے برے، خوبصورت بدصورت یا گہرا اور سرسری میں تقسیم کر سکتے ہیں لیکن اسے صرف سگے سوتیلے کی کسوٹی پر پرکھنا اس رشتے کے ساتھ ناانصافی ہے۔ سو کچھ بھی رد کرنے اور قبول کرنے سے پہلے یہ ضرور یاد رکھنا۔"

"میں یاد رکھوں گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نکلو اب۔ دعا کرتی ہوں صاحب کو تمہاری باتوں پر یقین آجائے۔"

جہان نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔ شبیح نے اسے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو چار و ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔

"اللہ حافظ۔" شبیح نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اللہ حافظ۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور الوداعی نظر اس کے چہرے پر ڈال کر آگے بڑھا دی۔ نظروں

سے اوجھل ہونے تک شیچ گاڑی کو دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر بیگ پیک دونوں کندھوں پر ڈال کر پیچھے لٹکایا اور خود کو تیار کر کے گلی میں داخل ہو گئی۔

"میں کیا کہوں گی؟ کیسے اپنا تعارف کراؤں؟ شاید وہ خود ہی مجھے پہچان لیں۔ان کی بھی تو فیملی ہو گی، شوہر اور بچے۔کیا یہاں بھی یہ راز ہی ہو گا جو میری آمد پر کھلے گا؟ اگر انہوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا تو؟ نہیں...... وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔کیوں نہیں کر سکتیں؟ اتنے سالوں تک جس نے تمہیں کبھی یاد تک نہیں کیا، اس کے لئے کیا مشکل ہے۔کیا پتا انہوں نے یاد کیا ہو، ایک بار نہیں کئی کئی بار، اس طرح کسی نے مجھے خبر نہیں ہونے دی۔مجھے چھوڑ کر بھی تو وہ ہی گئی تھیں۔"

جذبات اور خیالات کی یلغار نے اسکے اندر ہیجان برپا کر دیا تھا۔دروازے پر پہنچ کر اس نے گہری گہری سانسیں لے کر خود کو قدرے پرسکون اور منظم کیا اور کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

"پلٹ جا۔بھاگ یہاں سے۔" صفورا کی شبیہہ کی تکرار جاری تھی جس کی طرف سے اس نے مکمل کان بند کر لیے تھے۔دروازے کی دوسری طرف آہٹ ہوئی تو اس کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہوئی اور سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔دروازہ کھلا تو دوسری طرف ایک معمر سی خاتون تھیں۔☆

"وہ اتنی عمر رسیدہ نہیں ہو سکتیں۔" اس نے دل میں سوچا اور بلند آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔"

"جی مجھے سمیرا پاؤسکر سے ملنا ہے۔" اس نے وہ اجنبی سا نام پہلی بار زبان سے ادا کیا۔

"کون۔؟"

"سمیرا پاؤسکر۔"

"مدیحہ!" ان خاتون نے اندر کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز لگائی۔لمحہ بھر بعد اسی کی ہم عمر لڑکی برآمد ہوئی۔

"جی دادی۔" اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ تھیں، جہاں وہ تیزی سے ٹائپ کر رہی تھی۔

"انہیں دیکھو کس سے ملنا ہے۔" دادی کی بات پر مدیحہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”سمیرا پادسکر سے ملنا ہے۔“

”امی!“ وہ جیسے فون میں مگن آئی تھی ویسے ہی آواز دیتے ہوئے پلٹ گئی۔ ”دروازے پر دیکھیں کون آیا ہے۔“

شمیع کو گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ مدیحہ کے غائب ہونے اور ”امی“ کے وارد ہونے تک ”دادی“ اس کا تفصیلی جائزہ لے چکی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ سے بیگ کا ایک اسٹریپ تھامے احمقوں کی طرح مسکرا رہی تھی جبکہ دراصل اندر اس کا حال انڈیا پاکستان کے کرکٹ میچ کے اس ناظر جیسا تھا جو آخری بال پر وکٹ گرے گا یا جیتنے کے لئے درکار چھکا پڑے گا، سوال سے نبرد آزما اپنے ناخن کترتا ہے۔

”جی کہیئے؟“ امی نے آ کر پوچھا۔

”سمیرا پادسکر سے ملنا ہے۔“ زندگی بھر نام نہ لینے کی تلافی گویا آج ہی ہو جانی تھی۔ ”یہ انہیں کا گھر ہے ناں؟“

”تھا۔ وہ لوگ دو سال پہلے یہ مکان فروخت کر کے رتنا گری منتقل ہو گئے ہیں۔“

اس کے اندر جل رہی بھڑ بھڑ آگ پر جیسے ایک دم برف پڑ گئی۔ اس کا متغیر ہوتا چہرہ دونوں خواتین نے دیکھا۔

”یوسف کے پاس ان کا نیا ایڈریس ہوگا؟“ دادی نے امی سے کہا۔

”شاید۔ میں پوچھتی ہوں۔ آپ اندر آئیں۔“

”شکریہ۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ اگر ان کا کرنٹ ایڈریس مل جائے تو......“

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ اندر چلی گئیں۔

”کب تک کھڑی رہو گی۔ ہو سکتا ہے وقت لگے، اندر آ جاؤ۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں یہیں انتظار کرتی ہوں۔“ اس نے عاجزانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”پانی چاہیے؟“ ذرا توقف کے بعد ’دادی‘ نے پوچھا۔

”نہیں۔ شکریہ۔“

''سمیرا پادسکر سے کیا رشتہ ہے؟''

''رشتہ۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''رشتہ دار ہیں میری۔''

''دور کی رشتے دار ہیں؟''

''جی۔'' دادی کے مزید ممکنہ سوالات کے جواب نہیں تھے اس کے پاس۔ ''پانی...... پانی ملے گا؟''

دادی نے عجیب نظروں سے اسے گھورا اور مدیحہ کو پکارا۔ دو تین آوازوں کے بعد وہ اپنی سابقہ مصروفیت کے ساتھ حاضر ہوئی۔

''جی دادی۔'' دادی پوتی اس جگل بندی کی عادی لگتی تھیں۔

''انہیں پانی دو۔''

''جی دادی۔'' وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی موبائل پہ سر جھکائے پلٹ گئی۔

''کہاں سے آئی ہو؟''

''ممبئی سے۔''

''اکیلی؟''

''جی۔''

''یہ ہے کاظم پادسکر کا نیا ایڈریس۔'' امی کی بروقت آمد نے اسے بچا لیا۔

''آپ سب کو بے وقت پریشان کرنے کے لئے معافی چاہتی ہوں۔'' شیبح نے ان کے ہاتھ سے کاغذ لیا۔ ''ایڈریس کے لئے بہت بہت شکریہ۔'' وہ ان دونوں کو حیران چھوڑ کر پلٹی اور تیزی سے چلتی ہوئی گلی پار کر گئی۔

''دادی پانی۔'' تبھی مدیحہ ایک ہاتھ میں گلاس اور دوسرے میں موبائل لیے حاضر ہوئی تھی۔ گلی سے باہر نکل کر اس نے رک کر سانسیں بحال کیں جو اس قدر تیز چلنے پر پھول گئی تھیں۔

''بڑا آسان سمجھ لیا تھا میں نے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔

''بس اسٹینڈ جا کر پھر بس لینا پڑے گی۔'' اس نے آٹو کی تلاش میں سڑک پر نظر دوڑائی۔ ذرا فاصلے پر سڑک

کے دوسرے کنارے سیاہ زائیلو کھڑی تھی۔

''ہا۔یہ کیسے؟''

وہ دوڑتی ہوئی گاڑی تک آئی۔ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے سے ٹیک لگائے، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ جہان ہی تھا۔آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔

''تم تو چلے گئے تھے؟''شیبی کو اسے دوبارہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔

''میرا بھی خیال تھا کہ میں چلا جاؤں گا۔''وہ مسکرا کر سیدھا ہوا۔''کیا ہوا؟تم اتنی جلدی واپس کیسے آ گئی؟''

''وہ اب یہاں نہیں رہتیں۔رتنا گری شفٹ ہو گئی ہیں۔''اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ جہان کو دیا۔

''یعنی ہماری منزل ایک ہی ہے۔''ایڈریس پڑھنے کے بعد جہان نے کہا۔

''چلو۔''دروازہ کھول کر اس نے سیٹ سنبھال لی۔

''اب کیا سوچ رہی ہو؟''اسے یونہی ایستادہ دیکھ کر جہان نے پوچھا۔

''تم واپس کیوں آئے؟''وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔دونوں چند ثانیے ایک دوسرے کو تکتے رہے۔

''تمہیں یوں تنہا چھوڑ کر جانا مجھے ٹھیک نہیں لگا اس لئے لوٹ آیا۔''

''فرض کرو وہ مجھے مل جاتیں، تب کیا کرتے؟''

''کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد چلا جاتا یا پھر تمہاری خیریت دریافت کرنے میں بھی وہاں پہنچ جاتا۔''

عین چہرے پر پڑ رہی سورج کی شعاعیں اسے مزید وہاں کھڑے رہنے سے روک رہی تھیں۔وہ گھوم کر دوسری سمت آئی اور اندر بیٹھ گئی۔وہ ایک ہاتھ میں فون اور دوسرے میں ایڈریس والا کاغذ پکڑے لوکیشن اور ڈائریکشن میں الجھا تھا۔

''تمہیں رتنا گری سے آگے جانا ہے۔میری وجہ سے تمہیں بھی دیر ہو گی۔''سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اس نے مصروف جہان کو دیکھا۔

''فنکشن رات کا ہے۔اور تاخیر ہوئی بھی تو کیا مجھے صرف شکل دکھا کر لوٹنا ہے۔''اس نے کاغذ شیبی کو واپس دیا اور فون اسٹینڈ میں لگا دیا۔

”مایوس مت ہو۔ان شاء اللہ، یہاں وہ تمہیں مل جائیں گی۔“

”سچ کہوں تو میں اس وقت بہت ریلیکس ہوں اور اس بات پر حیران بھی ہوں۔ مجھے کچھ افسوس ہونا چاہیے، ذرا سا غصہ، تھوڑا دکھ، ہلکی مایوسی اور جھنجلاہٹ۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ ایک اجنبی کے مقابل بنا کسی فلٹر کے اپنے احساسات بیان کر رہی تھی۔

”تو کیا تم خوش ہو کہ وہ ملیں نہیں؟“ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے جہان نے پوچھا۔

”شاید......اور مجھے کسی بھی مقدار میں خوش تو ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے سر پیچھے لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”تمہاری سچویشن کا میں صرف اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔ بنا سوچے، سمجھے تم گھر سے نکل پڑی تھی مگر ابھی تمہیں وقت ملا ہے تو اب ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر کے آگے بڑھو۔“

وہ یونہی آنکھیں موندیں بیٹھی رہی۔

”میرے وجود اور پہچان کی بنیاد ہی جھوٹ اور فریب پر رکھی گئی۔“

”کیا جھوٹ اور فریب کی رٹ لگا رکھی ہے۔“ نمی طیش میں اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی۔ ”ان سب کی ذمہ دار تمہیں چھوڑ کر جانے والی ہے۔ جھوٹ، فریب، دھوکا، سب کی ذمہ دار وہ ہی ہے۔ جسے نہ کبھی دیکھا، نہ کبھی ملی اس کے لیے کل تک جو تمہارا آئیڈیل تھا آج وہ بس ملزم اور قصوروار رہ گیا ہے؟ تم امی کو کیسے الزام دے سکتی ہو؟ کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا ایک نام تمہاری اپنی ماں کے لئے محبت ختم کر سکتا ہے تو تف ہے تم پر۔ مجھے نہیں اندازہ تھا تم اتنی سطحی اور کم عقل ہو۔ اگر تمہارے وجود میں ابو کا حصہ نہ ہوتا تو ابھی تمہیں دھکے مار کر گھر اور زندگی سے نکال دیتی۔“

”نمی!“ صفورا نے گرج کر اسے ٹوکا تھا مگر اس وقت کمرے موجود وہ تینوں ہی بالکل الگ الگ احساسات اور جذبات کی انتہاؤں پر تھے۔

”تم نے ثابت کر دیا اسی عورت کا خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ خودغرض، بے حس، احسان فراموش اور......“

''چٹاخ......'' تھپڑ کی گونج پر تختی سے لب سیئے بیٹھی شیع نے سر اٹھایا تھا۔

صفورا بے بسی اور پچھتاوے کی تصویر بنی کھڑی تھیں تو سرخ گال پر ہاتھ رکھے نُہی صدمے سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ طوفان تو گزر ہی جائے گا مگر یاد رکھو اب نُہی نہیں ملے گی تمہیں دوبارہ۔'' نُہی کی سرد آواز نے اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پھیلا دی تھی۔ وہ قہر برساتی نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

''یا اللہ!'' صفورا سر تھامے فرش پر ڈھے سی گئی تھیں۔

بند پلکوں کے پیچھے سے آنسو مچل مچل کر کنپٹیوں پر پھسل رہے تھے۔ اسے خبر ہی نہیں تھی۔ سراپا آزردگی میں لپٹی شیع اسے بھی اداس کر گئی۔ وہ اس پل فراموش کر بیٹھا تھا کہ کیوں اور کس سفر پر نکلا ہے۔

پیچھے سے بس کے ہارن کی آواز پر وہ چونکی۔ بالوں میں جذب ہوتے آنسو کے نشان دوپٹے سے مٹا کر اس نے سنجیدہ سے جہان کو دیکھا اور پل بھر میں ہی جان گئی کہ اس آن اس کے بدلے مزاج کی وجہ وہ خود ہے۔

''ڈرائیونگ کے دوران لوگ عموماً میوزک ضرور سنتے ہیں۔'' سبک رفتار سے پھسلتے لمحوں میں خاموشی اچانک تیسرے وجود میں ڈھلنے لگی تو اس نے تکلم کے پرندے کے پر پھڑ پھڑا کر اس وجود کو زائل کیا۔

''اسٹیریو خراب ہے یا میری وجہ سے......''

اس کی بات کے درمیان ہی وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''میوزک! پہلی بار میں جب گاڑی لے کر نکلتا تھا تو ارش مجھے سواری کی دعا پڑھاتی تھی، ساتھ ہی یہ وارننگ بھی کہ میں گاڑی چلاتے ہوئے ہرگز بھی میوزک نہ سنوں کیونکہ وہ نہیں چاہتی خدانخواستہ کبھی کوئی حادثہ ہو اور میری موت واقع ہو تو میں میوزک سنتے ہوئے مروں۔ اس وقت وہ بہت چھوٹی تھی۔ خیر اب تو نہ وہ دعا پڑھاتی ہے نہ وہ وارننگ دیتی ہے لیکن اس کی وہ بھیانک منظر کشی آج بھی مجھے اس کی بات ماننے پر مجبور کرتی ہے۔''

اس انوکھی توجیہہ پر وہ پہلے حیران ہوئی، پھر مسکرائی اور آخر میں ضبط نہ کر سکی تو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''تمہاری بہن ہے بڑی چالاک۔''

جہان نے دیکھا کچھ دیر پہلے والی آزردگی کا سایہ اب بھی تھا مگر اس وقت وہ دل سے ہنس رہی تھی۔ یہ

امتزاج اسے بڑا بھایا۔

"آگے ایک ہوٹل ہے جہاں کے پرانس بڑے فینس ہیں۔ وہاں لنچ کے لیے رکیں؟"

"اتنی جلدی؟" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔

"اس کے بعد دوسرا اچھا ہوٹل کافی دور ہے۔"

"مجھے تو بھوک بھی نہیں ہے، اگر تمہیں لگی ہے تو رک جاتے ہیں۔"

"کچھ خاص نہیں۔" اسے اچانک یاد آیا "پیچھے دیکھو کیری بیگ ہوگا۔ ممانے دیا تھا۔"

شمیخ نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ تھیلی اسے نظر تو آ رہی تھی مگر دور تھی۔ سیٹ بیلٹ نکال کر وہ پوری پیچھے گھوم گئی۔ جوٹ کی تھیلی اٹھا کر زپ کھول کر اندر جھانکا، اس میں جوس کے ٹیٹرا پیکس، چپس کے پیکٹس، انرجی بارز، بسکٹس اور تھرمو اسٹیل کی پانی کی بوتل تھی۔

"تمہیں کچھ چاہیے؟"

"پانی ہو تو دے دو۔" شمیخ نے ڈھکن ہٹا کر بوتل اسے تھما دی۔ جہان نے آدھی سے زیادہ بوتل خالی کر کے اسے واپس کی۔

"اتنی پیاس لگی تھی تو پہلے کیوں نہیں مانگا پانی۔" اس نے پہلے صرف سوچا پھر بول بھی دیا۔

اس کے ناراض اور شاکی لہجے پر جہان نے اسے دیکھا۔ ہواؤں کا اثر تھا کہ بال بکھر سے گئے تھے جواب مچل مچل کر اسکے گالوں کو چوم رہے تھے۔ گاہے بگاہے رونے کا اثر تھا کہ سیاہ گہری آنکھیں متورم تھیں۔ سانولی شفاف رنگت پر اس کی ناک پر براجمان تل اس کے چہرے پر سب سے نمایاں تھا۔

"سوری۔" نظریں دوبارہ سڑک پر مرکوز کرنے کیلئے اسے کڑی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ شمیخ نے انرجی بار کا ریپر آدھا اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا۔

اس نے بھی شغل کے لئے چپس کا پیکٹ باہر نکالا۔

"پارلے جی نہیں ہوگا اس میں۔" جہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ ہنس دی۔ وہ اس کی عادی تھی۔ وہ پارلے جی کی شوقین تھی اور ہر جاننے والا اسے اس تعلق اسے چھیڑتا بھی تھا اور مذاق بھی ضرور ہی اڑاتا

تھا۔اس نے تھیلی کی زپ بند کر کے واپس پیچھے رکھی اور سیٹ پر پہلے والی حالت میں بیٹھ گئی۔جہان نے اشارہ کر کے اسے سیٹ بیلٹ لگانے کہا جس پر اس نے فوراً عمل کیا۔

"کیا تم اس طرف اکثر آتے ہو؟ کہاں کیا اچھا اور مشہور ہے، تمہیں سب معلوم ہے۔" اس نے چپس کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ابو نے یہاں آم کے باغات لے رکھے ہیں۔سیزن میں تو ہم بھی یہاں آتے ہیں۔"

"واؤ! آم کے باغ۔" اس کے منہ میں پانی آگیا۔

"باغات کے ساتھ ہی فارم ہاؤس بھی ہے اس لئے کبھی فیملی تو کبھی دوستوں کے ساتھ آنا جانا لگا رہتا ہے۔"

"ویسے ہے بڑا خوبصورت علاقہ۔"

"ہم۔تم نے یہاں کے پیچس نہیں دیکھے۔کبھی فرصت میں آؤ اور موقع ملے تو ضرور وزٹ کرنا۔"

"کاش یہ پہلا موقع ہی نہ آیا ہوتا۔" اس نے آزردگی سے سوچا۔

پھر اس کے گرد ہالہ بناتی اداسی محسوس کر کے وہ اپنی بات پر پچھتایا۔اس نے گلا کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"صاحبہ کی شادی میں جانے کی اصل وجہ کچھ اور ہے۔" شبیع نے اپنی سوالیہ آنکھیں اس پر مرکوز کیں۔

"وہ جب بڑے یقین سے سنا رہی تھی کہ میں اب تک اس کے فراق میں تنہا ہوں اور اس کی ذمہ دار مما ہے۔تب میں نے اسے غلط ثابت کرنے کے لیے کہہ دیا کہ میری انگیجمنٹ میری پسند اور مما کی مرضی سے ہوگئی ہے۔اور اس نے کہا کہ ایسا ہے تو میں اس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی میں شریک ہو کر ثابت کروں۔"

"اوہو......"

اس کی سماعتوں میں اب بھی اس کی وہ استہزائیہ ہنسی گونج رہی تھی جس نے اسے طیش میں آ کر یہاں کے لیے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔اسے صاحبہ کے روبرو کچھ بھی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔اسے جو سمجھنا تھا وہ سمجھتی رہتی۔لیکن وہ ان سب میں مما کو گھسیٹ لائی تھی اور وہ ہرگز بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ صاحبہ اپنے تخلیق کردہ تصوراتی ناکام عاشق کیلیئے بھی اس کی مما کو دوش دے۔

"اوراب......؟" شیبی نے وہی سوال کیا جو وہ خود سے ہزار بار پوچھ چکا تھا۔

"اوراب...... پتا نہیں...... وہاں جا کر کوئی بہانہ بناؤں یا یہیں سے لوٹ جاؤں۔ اسے سچ کہہ کر ایک بار پھر یقین دلانے کی کوشش کروں کہ وہ وہم میں مبتلا ہے یا اسے اس وہم کے ساتھ یوں ہی رہنے دوں۔ تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"تم کیوں ابھی تک تنہا ہو؟" اس کا سوال نظر انداز کر کے اس نے اپنا سوال پیش کیا۔

"تم صاحبہ کو صحیح سمجھ رہی ہو؟" وہ حیران ہوا۔

"نہیں۔ لیکن بتاؤ نا، تم نے اب تک شادی یا انگیجمنٹ کیوں نہیں کی؟"

"ابھی اٹھائیس سال بھی مکمل نہیں ہوئے ہیں میرے۔ مما کی تلاش جاری ہے۔ جس دن انہیں کوئی پسند آ گئی فوراً ہی شادی ہو جائے گی۔"

"اور اس سے پہلے اگر تمہیں کوئی پسند آ گئی تو؟"

"مما تو کب سے اسی انتظار میں ہیں کہ میں کسی کا نام لوں۔"

"مطلب یہ کہ تم چاہتے ہو تمہاری مما لڑکی کا انتخاب کریں اور وہ چاہتی ہیں کہ تم خود کسی کو پسند کر لو۔"

"ایسا ہی کچھ۔"

"اللہ کرے تم دونوں کی نظر انتخاب ایک ہی لڑکی پر جا ٹھہریں۔" اپنی بات کا مزہ لے کر وہ ہنسنے لگی۔ جہان نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"یہاں سے اندر کی طرف ایک بیچ ہے۔" جہان نے آگے سڑک پر نظر آ رہے بائیں موڑ کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں ایک پرانی عمارت بھی ہے۔"

شیبی کو اس کی اور ارش کی گفتگو یاد آ گئی۔

"اگر تم کہو تو کچھ دیر وہاں......؟"

"ہاں چلو۔" وہ مسکرا دیا۔ اسے شبہ تو تھا کہ وہ ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اب تصدیق ہو گئی تھی۔

بائیں جانب مڑتے ہی وہ ساحل سمندر سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہوائیں مستانی ہو گئی تھیں اور

مناظر بڑے فرحت بخش تھے۔ سامنے دور تک پھیلا آسمانی عرش، نیچے ارض پہ بکھرا سبزہ اور دونوں کے درمیان سورج کی نارنجی شعاعیں۔ چرند، پرند اور بشر سب اس حسین منظر اور خوبصورت ماحول کا حصہ بنے اس کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک تنگ اور ٹوٹی پھوٹی سڑک پر آ گئے۔

''کیا یہ ٹورسٹ اسپاٹ ہے؟'' ان سے آگے چلتی بائیک کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''کوئی بہت مشہور جگہ نہیں ہے۔ جنہیں علم ہے وہی لوگ آتے ہیں۔ یہ سڑک دراصل ایک دیہات کی طرف جاتی ہے۔ اس دیہات کا ایک مزدور فارم ہاؤس پر کام کرتا ہے، اسی نے یہ جگہ بتائی تھی۔''

سامنے سمندر نظر آ رہا تھا۔ جہان نے گاڑی سڑک سے اتاری اور تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد روک دی۔

''یہاں سے پیدل چلتے ہیں۔''

وہ اپنا بیگ لے کر اتر گئی۔ پانیوں کے قریب ہوا میں نمی اور ٹھنڈک بڑھ گئی تھی۔ اسے ساحل سمندر پر کبھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ممبئی کی دیگر جگہوں کی طرح یہاں بھی جم غفیر موجود ہوتا تھا۔ ایسی بھیڑ اور گہما گہمی میں اسے ساحل، سمندر، ڈوبتا سورج، کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے موقعوں پر نہی اکثر جل کر کہا کرتی تھی، ''تم ناقصیٰ بیچ جایا کرو وہاں صرف خودکشی کرنے اور ڈوبنے والے ہی ہوتے ہیں۔''

وہ چند قدم چلتی ہوئی آگے آئی اور سامنے کا منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ اسے لگا وہ ٹی وی اسکرین کا کوئی منظر ہے یا کسی میگزین کی تصویر۔ اس منظر کی سب سے بڑی خوبصورتی صاف ستھرا اور لوگوں سے خالی ساحل تھا۔ گاڑی لاک کرنے کے بعد وہ دوڑ کر اس کے ساتھ ہوا۔

''ارشی اور شبان نے یہاں اپنے نام لکھے تھے۔'' جہاں نے بائیں طرف ایک ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے کی سمت اشارہ کیا۔ وہ کبھی شاندار عمارت رہی ہوگی اب اس کے صرف آثار باقی تھے۔ پتھروں والی ٹوٹی دیواریں جن پر چھت نہیں تھی، کچھ دروازوں کی چوکھٹیں اور چند سیڑھیاں۔ جہان اس کھنڈر کی طرف مڑا تو وہ رک گئی۔

''میں وہاں جاؤں؟''

جہان نے پلٹ کر دیکھا، وہ سمندر کی سمت اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ ''وہاں چلیں۔ یا پہلے وہاں چلتے ہیں۔'' جہان نے سر ہلا کر اسے اجازت دی۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ جہان آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھنڈر تک

آیا اور ارش کی بتائی دیوار تک جانے کی بجائے منڈیر نما ٹوٹی دیوار پر بیٹھ گیا۔ جہاں سے سمندر اور سمندر کی اور جاتی شبیح، دونوں نگاہوں کی زد میں تھے۔

لوفرزا اور بیگ ریت پر چھوڑ کر وہ برہنہ پا چلتی پانی تک آئی۔

''اگر ابھی یہاں نبی، صفی اور امی ہوتے تو کتنا ادھم مچاتے سب۔'' ماحول کا اثر تھا کہ وہ فی الحال بڑی دل گزار تھی۔

''اتنی خوبصورت جگہ اور اتنے بدترین حالات میں، میں یہاں تنہا ہوں۔'' اس نے اڑتے دوپٹے کو سنبھالا۔

''کس نے کہا تھا تمہیں تنہا گھر سے نکلنے؟'' صفورا کی شبیہہ بیدار ہوئی۔ ''امی نے کہا تو تھا وہ خود تمہیں لے چلیں گی۔''

''میں غصے میں تھی۔''

''اب اتر گیا نا غصہ، لوٹ جاؤ۔''

''یہاں تک آکر کیسے پلٹ جاؤں۔''

''امی کو کتنا دکھ پہنچایا ہے تم نے، کچھ اندازہ ہے؟''

''میں بھی کم تکلیف میں نہیں ہوں۔''

''آدھی رات کو گھر سے نکل کر تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''میرے پوچھنے پر بہانہ کرنے کی بجائے مجھے سچائی بتا دی گئی ہوتی تو آج یہ دن نہ آتا۔''

''اس وقت تم جس درد سے گزر رہی ہو وہ تمہیں اس سے محفوظ رکھنا چاہتی تھیں۔''

''یہ تو اسی دن سے میرا مقدر ٹھہرا تھا جس دن وہ مجھے چھوڑ کر گئی تھیں۔''

''تم سمیرا کا خون ہو اور صفورا تمہاری ماں ہے، کیا تم اس سے انکار کر سکتی ہو؟''

''کبھی نہیں۔'' اس نے اڑتے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کیا۔

خیالات کے اس تبادلے میں صفورا کی شبیہہ اس میں مدغم ہو گئی تھی۔ دیوار پر باہر کی جانب پیر لٹکائے بیٹھا جہان اپنے موبائل کیمرے میں سامنے پھیلے دلکش مناظر قید کر رہا تھا۔ خود سے الجھتی، لہروں کے ساتھ چلتی، کبھی

بال سمیٹتی تو کبھی دوپٹہ سنبھالتی شیع ہر تصویر کا حصہ تھی۔

”سب کچھ واقعی اتنا دلکش اور خوبصورت ہے جتنا مجھے محسوس ہو رہا تھا یا ساری دلکشی اور خوبصورتی کسی کی موجودگی کے باعث ہے؟“

شیع نے پلٹ کر دیکھا، وہ بہت دور نکل آئی تھی۔ دور سے جہان ہاتھ لہرا کر اسے اشارہ کر رہا تھا۔ اس نے بھی ہاتھ اٹھا کر جواب دیا اور واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ اس کی جیگینگ اور کرتے کا نچلا حصہ بھیگ چکا تھا۔ اس نے پیروں پر ہتھیلیاں دبا دبا کر پانی نکالا، کرتے کا دامن نچوڑ کر جھٹکا اور لوفرز اور بیگ اٹھا کر کھنڈر نما عمارت کی طرف چل پڑی۔ جہان بھی دیوار سے غائب ہو گیا تھا۔

وہ ٹوٹے پھوٹے پتھروں پر سنبھل سنبھل کے پیر رکھتی اوپر آئی جو کبھی زینے کے طور پر استعمال ہوتے ہوں گے۔ اندر بھی جنگلی پودے اور پھول ہر سو تھے۔ جہان نسبتاً اونچی اور بڑی دیوار کے آگے کھڑا تھا، جو کبھی کسی کمرے کی تشکیل کرتی ہو گی مگر اس وقت تنہا ایستادہ تھی۔ جس کے سر پر نہ چھت تھی نہ دائیں بائیں سہارا دیتی دیواریں۔

”تمہیں دکھائی دے رہے ہیں یہاں نام؟“ دیوار سے پرے ہٹ کر اس نے شیع سے پوچھا۔

شیع نے ان سیاہ پتھروں کا تفصیلی جائزہ لے کر نفی میں سر ہلایا۔

”وہ دونوں یقین نہیں کریں گے۔“ اس نے موبائل میں دیوار کی تصویر لیتے ہوئے کہا۔

”ویڈیو کال کر لو۔“ اس نے بیگ اور لوفرز دیوار پر رکھے اور دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

”نیٹ ورک کہاں ہے یہاں۔“ وہ مختلف زاویوں سے تصویریں لے رہا تھا۔ اس کے پیروں پر ریت چپک گئی تھی۔ اس نے دونوں پنجے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریت جھاڑی۔ تصویروں سے فارغ ہو کر جہان نے فون جیب میں ڈالا اور نیچے جھک کر تھوڑی تلاش کے بعد ایک نوکدار سلیٹی پتھر اٹھایا۔ سیاہ پتھروں والی دیوار پر اس نوکدار پتھر سے ایک لکیر کھینچی پھر اسے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کی لیکن وہ سلیٹی لکیر ہنوز موجود تھی۔ شیع خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جہان نے دیوار پر تصویر بنانی شروع کی۔ پہلی تصویر جیپ کی تھی۔ جہان کی پشت کی وجہ سے دوسری تصویر وہ کیا بنا رہا تھا اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ تصویر مکمل کر کے، پتھر پھینک کر وہ دیوار سے دور ہوا تو

شمیج نے دیکھا سیدھی لکیروں کی مدد سے اس نے بیگ پیک بنایا تھا۔

''ارش اور شبان نے چاک سے اپنی نام لکھیں تھے اس لئے وہ مٹ گیے۔'' وہ دیوار پر اس سے ذرا فاصلے پر آ کر بیٹھ گیا۔

''مستقبل میں کبھی اس طرف آؤ تو یہاں آ کر یہ ضرور چیک کرنا۔ یہ شاید نہ مٹے۔''

''اگر کبھی آئی تو ضرور۔''

''تم جاننے اور آج مل لینے کے بعد کیا یہ سلسلہ جاری نہیں رکھوں گی؟''

''پتہ نہیں۔ اتنا آگے کا میں نے سوچا نہیں۔''

''ابھی وقت ہے تمہارے پاس، سوچ لو۔'' وہ کچھ ٹھان کر اس کی طرف گھوم گیا۔

''اب سے کچھ ہی دیر بعد تم ان سے ملو گی۔ کیا کہو گی ان سے؟''

''کیا کہوں گی؟ اپنا تعارف کراؤں گی۔ شاید وہ خود ہی مجھے پہچان لیں۔ میں بالکل ابو کی کاپی ہوں۔ اور یہ......'' اس نے اپنی ناک کے تل پر انگلی رکھی۔ ''ٹریڈ مارک ہے۔''

''اوکے۔ تم نے تعارف کرایا یا وہ تمہیں پہچان گئیں، اس کے بعد......؟''

''پوچھوں گی ان سے، کیوں مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟ کیوں رابطہ نہیں رکھا؟ کبھی ملنے نہیں آئیں؟ فون تک نہیں کیا کبھی۔''

''مان لو ان کے پاس تمہاری ہر بات کا ریزنیبل جواب موجود ہوا پھر......؟''

''پھر؟'' وہ کنفیوز سی اسی سے سوال کر بیٹھی۔

''وہ تمہیں گلے لگائیں گی، تم انہیں معاف کر دو گی، تم اپنے گھر لوٹ جاؤ گی، تمہارا ان سے رابطہ رہے گا، باتیں ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ یا پھر......'' وہ لحظہ بھر رکا۔ ''ہوسکتا ہے وہ تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی آفر دیں۔ ویسے بھی تمہاری پڑھائی پوری ہو چکی ہے اور بقول تمہارے، ابو کے بعد تمہارا وہاں کچھ نہیں ہے۔ وہاں سوتیلے بہن بھائی اور سوتیلی ماں ہے اور یہاں بھی سوتیلے بہن بھائی اور سوتیلا باپ ہوگا۔'' وہ بڑی بے رحمی اور سفاکی سے آنے والے وقت کی منظر کشی کر رہا تھا۔ وہ بے قراری سے کھڑی ہو گئی۔

''تو تمہیں یہاں ان کے ساتھ رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔''

اسکی اس برہنہ حق گوئی سے بچنے کی خاطر وہ اس سے دور جانے کے لئے آگے بڑھی۔ دو چار قدم ہی اٹھائے تھے کہ ناہموار زمین پر پڑا دھاردار پتھر اس کے پیر میں گھس گیا۔

''آہ......'' اس نے بے اختیار پیر اٹھا کر تلوا دیکھا۔ ننھا سا سرخ گڑھا بن گیا تھا۔ جہان نے دیوار پر رکھے اس کے لوفرز اٹھا کر اس کے قدموں میں رکھے۔

''دوسرا امکان یہ ہے کہ......'' لوفرز میں پیر ڈالتے ہوئے شیبی نے سر اٹھایا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

''تمہیں تمہارے کسی سوال کا جواب نہ ملے یا اگر ملے بھی تو وہ تمہیں تمہارے اس قدم پر شرمندہ کرنے والا ہو اور تمہاری امی کو صحیح ثابت کرتا ہو......پھر......پھر کیا کرو گی تم؟''

شیبی کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ پلٹ کر دیوار پر بیٹھ گئی۔ جہان کو اس پر رحم آ گیا۔

''اس در تک پہنچنے سے پہلے یہ طے کر لو کہ تم خود کیا چاہتی ہو۔'' اب کہ اس کی آواز میں نرمی اور اپنائیت تھی۔ ''ایسی غیر متوقع حقیقت جاننے کے بعد کیسا بھی شدید ردعمل فطری ہے۔ مگر اب وقت ہے کہ تم پرسکون ہو کر، ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے جذبات سورٹ آؤٹ کر کے اپنی ترجیحات طے کرو۔'' وہ چلتے ہوئے دیوار تک آیا اور اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گیا۔

کتنی ہی دیر گزر گئی۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی اور پونچھتی رہی۔ جہان بھی لب سیئے اسے دیکھتا رہا۔ بہت دیر بعد وہ شروع ہوئی۔

''میں، امی، نبی اور صفی ہم سب ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتے۔'' وہ سر جھکائے، جہان کو دیکھے بغیر ہی بول رہی تھی۔ ''اپنی فیملی چھوڑنے کا تو سوال ہی نہیں ہے لیکن جس نے مجھے چھوڑ دیا تھا اس سے ''کیوں'' پوچھنے کا مجھے پورا حق ہے۔ یہاں تک آنے کے بعد اب میں ان سے اتنے سالوں کا پورا حساب لے کر ہی جاؤں گی۔''

''گڈ! لیکن کیا تمہیں نہیں لگتا ہے کہ اس طرح گھر میں بتائے بنا تمہیں نہیں نکلنا چاہیے تھا۔''

''صرف بنا بتائے گھر سے نکلنے کیلیے ہی نہیں اور بھی بہت ساری بدتمیزیوں کے لئے مجھے امی اور نُہی سے معافی مانگنی ہے۔''

''پہلے فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع تو دے دو۔''

''نہیں۔فون پہ نہیں، اب گھر جا کر ہی بات کروں گی۔ویسے میں نے اپنی خیریت کا ٹیکسٹ کر دیا تھا۔''

''چلیں پھر۔'' وہ کھڑا ہو گیا تو وہ بھی اٹھ گئی۔اس نے بیگ سے پانی کی بوتل نکالی، پانی پیا، چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور بوتل جہان کی طرف بڑھائی۔اس نے بھی ہاتھ دھو کر پانی پیا اور بوتل واپس کر دی۔وہ دیوار پر پیر رکھ کر جوتے کے تسمے کھول کر دوبارہ مضبوطی سے باندھ رہا تھا۔شمیح نے فون نکالا اور پاور آن کر کے دیوار کی تصویر لینے لگی۔

''دوبارہ آنے کا چانس تو نہیں ہے پھر بھی......'' وہ پلٹا تو شمیح فون بند کر رہی تھی۔

جہان کے اندر بہت سارے ''چانسز'' ابھرے مگر وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر نیچے اتر گیا۔شمیح نے بھی اس کی تقلید کی۔

''ہم پہلے لنچ کے لیے رکتے ہیں۔'' جہان نے گاڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' ٹھنڈی ہواؤں کا اثر تھا یا اتنا رونے اور سوچنے کی تھکان، اسے نیند آنے لگی تھی۔جلد ہی وہ سر پیچھے ٹکا کر سو گئی تھی۔ڈرائیونگ کرتا جہان سامنے سڑک اور بازو میں سوئی شمیح کو دیکھتے ہوئے ہوٹل پر پہنچ کر رکا تھا۔گاڑی رکتے ہی شمیح بھی جاگ گئی۔ایسے بے خبر سونے پر وہ شرمندہ سی باہر نکلی۔واش روم کے آئینے میں شکل دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سالوں سے سفر پر نکلی ہے۔اچھی طرح ہاتھ دھونے کے بعد اس نے بیگ سے کنگھا نکالا اور بال کھولنے لگی۔اپنی انفرادیت کی وجہ بھی اب سمجھ آ رہی تھی۔ایک تو اس کی رنگت نُہی اور صفی کے مقابلے میں سانولی تھی، دوسرے پیٹھ کی لمبائی تک پھیلے اس کے بال امی اور نُہی کی بہ نسبت سیاہ اور گھنے تھے۔

وہ ٹیبل پر واپس آئی تو جہان فون پر مصروف تھا۔اسے سمجھنے میں ذرا وقت نہیں لگا کہ دوسری طرف اسکی مما ہیں۔

''کہہ تو رہا ہوں کہ وہ دوسرے گروپ کے ساتھ نکلے ہیں۔''

”تیرے گروپ سے کب نکل گئے وہ دونوں؟“

”مما! کالج کے اور بھی کئی دوست آ رہے ہیں۔ میں ہی سب سے آخر میں نکلا ہوں۔ وہ لوگ پہنچ بھی گئے ہوں گے۔“

”کتنی بار کہوں، مجھے یقین ہے ظفر اور نوید یہیں ہیں۔ صاف صاف بتا تا کیوں نہیں معاملہ کیا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔ آ کر بتاتا ہوں۔ خوش۔“

”بیٹا، پہلے ہی کہہ دیتا۔ اتنے بہانوں کی کیا ضرورت تھی۔“

”ٹرائی کر رہا تھا کہ آپ سے کچھ چھپایا جا سکتا ہے کیا۔“

”سبق لے، اور آئندہ کے لئے ایسی کوششوں سے توبہ کر۔“

”سو بار توبہ مما۔“

”اچھا وہ لڑکی...... کیا نام تھا بھول گئی۔“

”شبیج۔“

”ہاں۔ اسے ڈراپ کرنے کے بعد مجھے میسج کر دینا۔“

”جی مما۔“

”چل رکھتی ہوں۔“

اللہ حافظ۔“

فون بند کر کے ٹیبل پر رکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بار اس نے انجان بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”تمہارا پورا نام کیا ہے؟ شبینہ، شبانہ، شبستان۔“ اسے جتنے نام سوجھے، اس نے گنوا دیئے۔

”میرا پورا نام شبیج ہی ہے۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو نک نیم لگتا ہے۔“

”تمہیں اردو تو آتی ہے ناں؟“ اس نے سامنے سے ٹشو پیپر اٹھایا اور بیگ سے پین نکالا۔

”بالکل آتی ہے۔“

"میرا نام شبیع ہے، شی نہیں۔" اس نے پین سے ٹشو پیپر پر لکھ کر بتایا۔

"او کے۔" جہان نے ٹشو پیپر ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا۔

"ابو کا پورا نام افتخار احمد اور دادا کا نام بشارت علی تھا۔ اور ہمارے یہاں ہر فارم اور دستاویز پر نیم، مڈل نیم، سر نیم، فادرس نیم جیسے کالمز نے ابو کے لئے بڑی پریشانیاں کھڑی کی تھیں۔ کل چار، پانچ نام لکھنے کے بعد ابو کا پورا نام بنتا تھا۔ دوسرے اسپیلنگ کی وجہ سے کوئی بھی صحیح تلفظ سے ابو کا نام نہیں لیتا تھا۔ کبھی افخکار تو کبھی افتکھار! اس لئے ابو نے بڑے سوچ سمجھ کر ہمارے مختصر اور صحیح تلفظ والی اسپیلنگ کے نام چن کر رکھے تھے۔ نبی، صفی اور شبیع۔"

"وائس مین۔" اس کی ستائش پر وہ بھی فخر سے مسکرائی تھی۔ تبھی ان کا کھانا آ گیا۔

"تمہیں سی فوڈ بہت پسند ہے شاید۔" اس نے ٹیبل پر پھیلے پکوان دیکھ کر کہا۔

"اس علاقے میں آ کر سی فوڈ نہ کھانا سراسر بیوقوفی ہے۔ ویسے مجھے سی فوڈ پسند بھی ہے۔ کیا تمہیں نہیں پسند؟"

"کھانے کے معاملے میں میرے نخرے نہیں ہیں۔" اسے اپنی یہ عادت بڑی اچھی لگتی تھی۔

"گڈ۔"

کھانے کے بعد دونوں نے کافی پی۔ ظہر کا وقت تھا اور اسے نماز پڑھنی تھی۔

"یہاں کسی گوشے میں نماز پڑھ سکتی ہوں۔" اس نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے جہان سے پوچھا۔

"یہاں مرد و خواتین کے لئے نماز کا الگ انتظام ہے۔ اسی لئے ہم لوگ ہر بار اسی جگہ پر رکتے ہیں۔" ایک ہی علاقے میں بکثرت سفر کرنے کے فائدے بھی کئی تھے۔

وہ دو رکعت قصر پڑھ کر باہر آئی تو جہان بھی نماز سے فارغ ہو گیا تھا۔

"فائنلی اب تمہاری منزل پر رکیں گے۔" دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جہاں نے کہا۔

وہ بیگ میں سر گھسائے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"ایڈریس والی پرچی نہیں مل رہی۔" اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بیگ نشست پر الٹ دیا۔ بقول نُہی وہ عمرو عیار کی زنبیل تھا۔ مڑے تڑے کاغذات، ٹشو پیپرز، فیس واپس، چین، پیپر اسپرے، فون، چارجر، چابیاں، چھوٹی سی ڈائری۔ اس کی ایمرجنسی کٹ کا پاؤچ کھل گیا تھا اور اس میں موجود لپ بام، لوشنز، کاجل، لائنر، نیل کٹر سب نشست پر پڑے تھے۔

"پھر گم ہوگئی مجھ سے۔" ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس نے مایوسی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اس میں ہے ایڈریس۔" فون اسٹینڈ پر لگاتے ہوئے جہان نے اسے تسلی دی۔

"اس پرچی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس پر ان کے شوہر کا نام لکھا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔" وہ سارا سامان واپس بیگ میں ٹھونستے ہوئے بولی۔

"کاظم پاؤسکر!"

شیج نے ہاتھ روک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے بھی وہ پرچی پڑھی تھی۔" جہان نے اسکی حیرت کے جواب میں صفائی پیش کی۔ اس نے اپنی جگہ بیٹھ کر دروازہ بند کیا تو جہان نے گاڑی آگے بڑھائی۔ اس نے فون بیگ میں نہیں ڈالا تھا۔ پاور آن کیا تو نُہی کے ساتھ امی کا بھی میسج تھا۔

"سنبھل کر اور دھیان سے بیٹا۔ واپس کب آؤ گی؟ میسج کر کے اپنی خبر دیتی رہو۔ چیزوں کا اور اپنا خیال رکھو۔"

وہ تیزی سے ٹائپ کرنے لگی۔

میں ٹھیک ہوں امی۔ صبح تک ان شاء اللہ گھر آجاؤں گی۔"

صفورا کو میسج بھیجنے کے بعد اس نے نُہی کا میسج دیکھا۔ وہاں صرف ایموجیز تھیں۔ سلگتے طیش اور غصے کو ظاہر کرتی، لعنت بھیجتی، ہر ایموجی موجود تھی۔

"صبر! آرہی ہوں۔" اس نے ٹائپ کیا۔ فون بند کر کے اس نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ دن ڈھلنے کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

"دادی ابو کے لئے کوکن کیسے پہنچ گئی تھیں؟" اس نے سوچا۔اس کا سارا ددھیال اور ننھیال ممبئی میں ہی تھا۔

"تم واپس کیسے جاؤ گی؟" جہان نے کھڑکی سے باہر نظاروں میں گم اسے دیکھا۔

"ممبئی کے لئے رتنا گری سے رات میں بسیں ہوں گی، اسی سے نکل جاؤں گی۔"

وہ پہلے ہی اس کے ساتھ واپسی کی پیشکش ٹھکرا چکی تھی اور اب یہ پلان۔ وہ چپ ہو گیا۔موبائل اسکرین پر بلولائن بتدریج گھٹتی جا رہی تھی۔ جو بے آرامی اور بے قراری صبح ادھر تھی وہ اس وقت ادھر منتقل ہو گئی تھی۔ وجہ بہرحال دونوں طرف بالکل مختلف تھی۔

وہ شہر کی حدود میں داخل ہو کر بالآخر مطلوبہ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ یہ شہر کا متمول علاقہ تھا۔ایک قطار میں شاندار بنگلے بنے تھے۔

"تو کیا ابو اور مجھے چھوڑنے کی وجہ دولت تھی۔" اس نے سوچا۔

جہان نے زائلو سڑک کے کنارے روک دی تھی۔

"میں ویٹ کرتا ہوں۔"

شیج نے اسے باز رکھنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"تم یہاں سے نپٹ جاؤ تو تمہیں بس میں بٹھا کر ممبئی روانہ کرنا میرا اخلاقی فرض ہے اور یہ مما کا حکم بھی ہے۔" آخر میں وہ مسکرایا۔ کچھ دیر پہلے والی خود اعتمادی کے باوجود وہ اب نروس تھی۔

"بنگلہ نمبر ٹینتھ بی ہے۔" اس نے فون نکال کر شیج کے آگے کیا۔اس نے دیکھ کر سر ہلایا اور بیگ لے کر باہر نکل آئی۔ جہان بھی باہر نکل کر اس کے قریب آیا۔اس نے سامنے قطار میں ایستادہ عالیشان بنگلوں کو دیکھا، ایک گہری سانس لے کر خود کو تیار کیا اور آگے بڑھی۔

"شیج!" ابھی وہ سڑک کے وسط میں ہی تھی کہ عقب سے جہان نے پکارا۔ وہ پلٹی۔

"ریلیکس۔ جو بھی ہوگا بہتر ہوگا۔" اس نے مسکرا کر اسے حوصلہ تھمایا۔اس نے بھی مضطرب مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور سڑک پار کر گئی۔

سامنے بنگلے کی باہری دیوار پر لگی نیم پلیٹ پر "ٹینتھ/ بی" لکھا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ چلتی ہوئی اگلے بنگلے

تک آئی۔ وہ "سکستھ / اے" تھا۔ اس نے اپنی رفتار بڑھائی۔ تیز تیز اٹھتے قدموں کے ساتھ جیسے یادداشت کے اسٹیج سے بھی آہستہ آہستہ پردہ اٹھنے لگا تھا۔ سب سے پہلی اور پرانی یاد جو اس اسٹیج پر ابھری، وہ گلابی فراک میں تالیاں بجاتی ننھی سی شمیع کی تھی جسے گود میں اٹھا کر صفورا نے چٹاچٹ بوسے لے ڈالے تھے۔ اب وہ صبح صادق کے ملگجے اجالے میں کچن میں کھڑی، جمائیاں لیتے ہوئے اس کا فرمائشی ٹفن تیار کر رہی تھیں۔ پھر وہ روتی گاتی نمی کو گود میں اٹھائے، شمیع کا ہاتھ تھامے اسے اسکول بس میں چڑھا رہی تھیں۔

اگلے منظر میں وہ رات کے دو بجے اس کا اسکول پروجیکٹ مکمل کر رہی تھیں۔ اپنی اینورسری پر ابو کو کیک کھلانے کے بعد وہ شمیع کے منہ میں کیک ڈال رہی تھیں۔ وہ ہر جگہ اس کے ساتھ تھیں۔ اسکول میں، کالج میں، گھر میں، گھر کے باہر، سب جگہ۔ کبھی پھٹکارتیں تو کبھی گلے لگاتیں، کبھی آنسو پونچھتیں تو کبھی پچکارتیں۔ ابو کے بعد ان تینوں کو لپٹا کر روتی ہوئیں۔ گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوئیں۔ ان تینوں کو سامنے بیٹھا کر کوچنگ کلاس کا پلان سناتی ہوئیں۔ اس کی زندگی کا گزرا کوئی بھی لمحہ ان سے خالی نہیں تھا۔ وہ اسی آغوش کی گرمی سے واقف تھی جو اسے صرف ڈیڑھ ماہ کے لیے میسر نہیں ہوئی تھی۔ کیا اس ڈیڑھ ماہ کے لئے وہ ذمہ دار تھیں؟ نہیں...... کیا اسے کسی اور آغوش کی طلب تھی؟ نہیں...... کوئی محرومی، کوئی حسرت تھی؟ نہیں...... کوئی کمی تھی؟ صرف ابو کی۔ کیا کوئی جگہ، کوئی خانہ خالی تھا جسے صرف سمیرا ہی پر کر سکتی تھیں؟ نہیں...... کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔

ہر رشتہ اپنے مقام پر تھا۔ ہر محبت اپنے معیار پر تھی۔ پھر کیوں، کس لئے؟ اس نے سینے پر ہاتھ مار کر اٹکتی سانسیں بحال کرنی چاہیئں۔ وہ ٹینتھ / بی کے سامنے کھڑی تھی۔

"اس دروازے کے اس پار ایسا کیا ہے جو فی الوقت میرے پاس نہیں ہے؟ چند دنوں کا تعلق یا چوبیس سالوں کی رفاقت؟ چند دن یا چوبیس سال نہیں، تعلق اور رشتے کو معنی اور اہمیت محبت اور قربانی سے ملتے ہیں اور محبت و قربانی کی جیتی جاگتی ایک تصویر کو میں جانتی تو ہوں، امی!" وہ سسکی۔ اس کے اندر اس وقت ذرہ برابر بھی اندر جانے کی تمنا نہیں تھی۔ اتنی سی بات سمجھنے کے لئے میں اتنی دور چلی آئی۔

بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر وہ پلٹی اور واپسی کے لئے دوڑ پڑی۔ جہان اس اچانک افتاد پر چونکا اور پھر بے اختیار ہی اس کی طرف بڑھا۔ سڑک کے بیچوں بیچ شمیع کا پیر مڑا اور وہ کراہ کر وہیں بیٹھ گئی۔ جہان اس کے

قریب پہنچا تو وہ اکڑوں بیٹھی، گھٹنوں میں سر دیئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ایسے روؤ تو مت۔ تم اندر تو گئی ہی نہیں۔"

مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں امی۔" اس کے دل میں ایک ہی تکرار جاری تھی۔

جہان پنجوں کے بل گھٹنے موڑ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"شبیج!" اس نے پکارا تو وہ اور زوروں سے رونے لگی۔ بے اختیار ہی جہان کا ہاتھ اس کے سر کی سمت اٹھا تھا لیکن اس کے بالوں سے ذرا فاصلے پر ہاتھ روک کر اس نے انگلیاں سمیٹ لیں۔

"شبیج!" اس نے ہاتھ نیچے کر کے دوبارہ پکارا۔

"تم راستے کے بیچ بیٹھی ہو۔"

اس نے ذرا سنبھل کر سر اٹھایا۔ اس کی سیاہ آنکھوں اور سانولی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ اس نے کچھ لمحوں کے لئے ہتھیلیوں سے چہرہ ڈھانپا۔

"نمی ٹھیک ہی کہتی ہے۔" اس نے ہتھیلیاں چہرے پر پھیر کر آنسو صاف کیے۔ "آسان سے بات بھی مجھے بڑی دیر سے سمجھ آتی ہے۔" وہ دھیرے سے ہنسی اور جہان کو لگا کہ یہ بھیگی سی ہنسی جلد اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ جہان نے بھی تقلید کی۔

"جو مجھے کل ہی مان لینا چاہیے تھا، آج اتنی دور آ کر سمجھ آیا۔"

"خیر، کوئی سفر رائیگاں نہیں ہوتا۔ جو تمہیں اتنی دور آ کر سمجھ آیا ہے وہی اس سفر کا حاصل ہے۔"

"یہاں اتنے قریب آ کر، اس گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر بھی، میرے اندر ملنے، دیکھنے، جاننے یا کچھ پوچھنے کی کوئی خواہش نہیں جاگی۔ بلکہ مجھے امی یاد آئیں۔"

اس نے گردن موڑ کر ٹیتھ/بی کے گیٹ کو دیکھا۔ دور سے آتی کار کے ہارن پر دونوں سڑک چھوڑ کر گاڑی کے پاس آئے۔ جہان نے درمیانی سیٹ کا دروازہ کھول کر پانی کی بوتل شبیج کو دی۔ پانی پی کر اس نے بوتل خود ہی جوٹ کی تھیلی میں واپس رکھ دی۔

''ایک بار پھر سوچ لو۔'' اگلا دروازہ کھول کر بیٹھنے سے پہلے جہان نے اسے کہا۔

''کل سے لے کر اب تک پہلی بار میں بالکل پر اعتماد ہوں۔ میرے ذہن میں کوئی گرہ، کوئی الجھن نہیں ہے۔ یہاں میرا کچھ نہیں۔ میرا سب کچھ ممبئی میں، میرے گھر میں ہے۔'' اس کے اندر جاگا اعتماد اس کے چہرے اور آواز میں بھی جھلک رہا تھا۔

''تو چلو پھر گھر۔'' جہان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مگر......تم۔''

''یوں اکیلے صاحبہ کی طرف جانے کا کوئی مطلب نہیں ہے، اس لئے میں بھی اب واپس چلتا ہوں۔ اور پلیز تم انکار مت کرنا۔ رات میں تنہا سفر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے جب کہ تم آرام سے میرے ساتھ چل سکتی ہو۔''

اس کی بات غلط نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ جہان نے اس سے پوچھا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے لیکن اس نے جواب نہیں دیا تھا اور ابھی اس کے ذہن میں ایک خیال چمکا تھا۔

''تم نے مجھ سے پوچھا تھا صاحبہ کی طرف جاؤں یا نہ جاؤں؟'' بڑے غور و خوض اور چور نظروں سے جہان کو دیکھنے کے بعد اس نے تمہید باندھی۔ ''میرے خیال سے تمہیں جانا چاہیے۔ اس معاملے میں، میں تمہارے کام آ سکتی ہوں۔''

''کیسے؟'' اس کی بات سن کر جہان کے چہرے پر ہوئے اثر نے اسے جز بز کر دیا۔

''تم نے میری اتنی مدد کی ہے تو میرا بھی کچھ فرض بنتا ہے۔''

''کیسے کرو گی میری مدد؟'' ایسا نہیں تھا کہ اسے اس ''مدد'' کا مطلب سمجھ نہیں آیا تھا۔ پھر بھی......

''کچھ دیر کے لئے میں وہ رول پلے کر سکتی ہوں جس کے بعد صاحبہ کو تمہاری بات پر یقین جائے گا۔''

''واقعی......؟''

''ہمم۔'' اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

''تھینک یو۔'' وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

''اس حلیے میں تم وہ رول کیسے پلے کرو گی۔'' کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرنے کے بعد جہان کو یاد آیا۔ شیخ

نے خود پر نظر ڈالی۔اس کی بات بھی درست تھی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

''میری تیاری مکمل ہے۔'' اس نے انگلیاں بند کر کے انگوٹھے سے پچھلی نشستوں کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کے کپڑے اور جوتے رکھے تھے۔

''تمہیں شاپنگ کی ضرورت ہے۔''

یہ شہر اس کے لئے انجان نہیں تھا۔ فارم ہاؤس پر قیام کے دوران وہ مما اور ارش کی شاپنگ کے لیے اس شہر میں ڈرائیور کی خدمات انجام دے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے گاڑی بڑی سی دکان کے سامنے روک دی۔ دکان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ مان گئی۔ وہ اسے بالکل صحیح جگہ لایا تھا۔ وہاں صرف ریڈی میڈ ڈریسز ہی نہیں جوتے، سینڈلز، جیولری، میک اپ، بیگز سب کچھ تھا۔ وہ انگلیاں مروڑتی ہوئی کپڑوں کے ہینگرز کی طرف بڑھی۔ جہان دانستہ اس کے پیچھے تھا۔ سارے ڈریسز یا تو بہت سادہ تھے یا پھر بہت ہی ہیوی۔ اس کے چہرے پر پسندیدگی کے آثار نہ دیکھتے ہوئے بالآخر سیلز وومن نے پوچھ ہی لیا کہ اسے کیسا ڈریس چاہیے۔ جواب میں ''پارٹی ویئر مگر سمپل اور سوبر'' سن کر وہ اسے دوسری طرف لے گئی۔ جہاں اس کی پسند ملنے کا امکان تھا۔ تیزی سے ایک کے بعد ایک ہینگر آگے سرکاتے ہوئے آخر اس کا ہاتھ تھم گیا۔ وہ پلین آف وائٹ گولڈن بارڈر والا بناری انارکلی اور چوڑی دار تھا جس پر سرخ پر نٹڈ بناری دوپٹہ تھا۔

''اس میں اور دو کلر ہیں۔'' سیلز وومن نے مستعدی دکھاتے ہوئے اور دو ہینگرز آگے کیے۔ ایک کا دوپٹہ بلو تھا اور دوسرا پرپل۔ تبھی پیچھے جہان کے فون کی رنگ ہوئی۔

''صاحبہ ہے۔'' شیع پلٹی تو جہان نے کہا۔ اس نے جیب سے والٹ نکالا اور کارڈ نکال کر شیع کی طرف بڑھایا۔

''تم آرام سے شاپنگ کرو۔ میں گاڑی میں ویٹ کرتا ہوں۔ پن ڈبل زیرو ٹو ون ہے۔''

ذرا سے تامل کے بعد اس نے کارڈ تھام لیا۔ اس کی غیر موجودگی میں شاپنگ زیادہ آسان تھی۔ جہان فون ریسیو کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ سرخ دوپٹے والا ڈریس، گولڈن سینڈلز، جھمکے اور سرخ لپ اسٹک لے کر وہ باہر نکلی تو جہان گاڑی کے پاس ہی کھڑا تھا۔ دکان کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی نظر سڑک کے کنارے پھولوں اور

گجروں کا کاؤنٹر لیے بیٹھی عورت پر پڑی۔

"میں ابھی آئی۔" ساری تھیلیاں پچھلی سیٹ پر ڈال کر وہ اس عورت کے پاس گئی۔ واپس آئی تو جہان ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"یہ گجرے امی کو بہت پسند ہیں۔" خشک پتے میں لپٹے موتیا کے گجروں کی مہک پوری گاڑی میں پھیل گئی تھی۔

"یہ تم نے اپنی امی کے لئے لیے ہیں؟"

نہیں۔" وہ ہنسی۔" انہیں دیکھ کر امی کی یاد آ گئی تھی۔ لیے تو اپنے لئے ہیں۔"

"صاحبہ کا فون تھا؟" اسے یاد آیا۔

"ہاں۔ پوچھ رہی تھی کہاں پہنچا ہوں۔"

"اور؟"

"یہ کہ ساتھ میں کون کون ہیں۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں تنہا ممبئی سے اپنی فیانسی کے ساتھ فنکشن میں شرکت کے لئے آ رہا ہوں، یہ بات اسے ابھی ہضم نہیں ہو گی۔ اس لئے میں نے کہا کہ سبھی یہاں فارم ہاؤس پر ہیں، لیکن فنکشن میں ہم دونوں ہی آ رہے ہیں۔"

"ہم۔"

شام اتر آئی تھی اور سورج کی کرنوں کا رنگ بدل گیا تھا۔

"ریزورٹ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"شہر عبور کر کے دوسری طرف جانا ہو گا۔ وہاں سے تقریباً اور ایک گھنٹے کا سفر ہے۔"

"ہمیں کہیں رکنا ہو گا۔"

"ہاں۔"

"جلد ہی کہیں رک جاؤ تو عصر مل جائے گی۔" شمیع کی بات پر اس نے رفتار بڑھائی۔

شہر سے باہر نکلنے کے بعد ایک ہوٹل کے آگے جہان نے گاڑی روک دی۔ اسے وہیں رکنے کا کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چابی تھی۔

''تم کمرے میں نماز پڑھ کر آرام سے تیاری کرو۔'' اس نے کمرے کی چابی اسے تھماتے ہوئے کہا۔ اس نے پچھلا دروازہ کھول کر اس کی شاپنگ کی سارے تھیلیاں اسے پکڑائیں۔

''میرا بیگ۔'' اس نے تھیلیاں تھامتے ہوئے سیٹ پر رکھے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

''گڈ! تم بھول نہیں رہی ہو۔'' بیگ اٹھا کر اسے دیتے ہوئے اس نے تعریف کی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ اس میں موجود ایمرجنسی کٹ کی اسے فی الحال بڑی ضرورت تھی۔

کمرے میں آ کر اس نے نماز پڑھی۔ کچھ دیر یوں ہی بیٹھ کر مغرب ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر مغرب پڑھنے کے بعد کردار کے ''گیٹ اپ'' میں جت گئی۔ ڈریس کا سائز اسے برابر آیا تھا۔ گردن پر بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا۔ کانوں سے بالیاں نکال کر جھمکے ڈالے، اس کے آخر میں لٹکتا سرخ موتی اس کی گردن کو چھو رہا تھا۔ ایمرجنسی کٹ نکال کر میک اپ کیا۔ آخر میں لپ اسٹک لگائی۔ اپنی سانولی رنگت کی وجہ سے اسے وہم تھا کہ سرخ لپ اسٹک اس پر جچتی نہیں ہے۔ ابھی بھی اس نے بڑی تلاش کے بعد یہ ہلکا شیڈ لیا تھا۔

بالوں میں گجرے لگا کر سینڈل پہنی اور دوپٹہ سیٹ کر کے آئینے میں خود کا جائزہ لیا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی، ایسا ہی کچھ اسے نُہی نے تیار کیا تھا۔ جب نزہت آنٹی اپنے شوہر کے ساتھ اسے دیکھنے آئی تھیں۔ وہ ہنس مکھ اور نفیس سی اسکول پرنسپل اسے بہت اچھی لگی تھیں۔ شہر کے تمام ہی اردو اخبارات میں ان کی تحریریں اور مضامین شائع ہوتے تھے۔ جو عموماً معاشرتی اور اصلاحی ہوتے تھے۔ وہ پھوپھو کی سسرالی رشتہ دار تھیں۔ جنہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے وہ بھا گئی تھی۔ اگر شادی کے بعد اسے عمران کے ساتھ ملک سے باہر سیٹ ہونے والی بات نہ ہوتی تو وہ کب کا یہ معاملہ امی کی مرضی پر چھوڑ چکی ہوتی۔ امی تو اس رشتے کے لئے دل و جان سے تیار تھیں مگر اس کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ اسے امی کے کوچنگ سینٹر کو ترقی کی نئی بلندیوں تک لے جانا تھا۔ اس ترقی اور اس سے بڑھتی آمدنی ہی صفی کو ڈاکٹر بنا سکتی تھی۔

سالوں پہلے جس دن صفی نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا، اسی دن نُہی نے اپنی کتابیں اور خواب دونوں

اٹھا کر طاق رکھ دیئے تھے اس اعلان کے ساتھ کے اتنی مشکل پڑھائی اس کے بس میں نہیں مگر وہ سب جانتے تھے کہ خود کو سفید ایپرن اور اسٹیتھو اسکوپ کے ساتھ دیکھنے کا خواب نُہی نے صفی کی خاطر تیاگ دیا تھا۔اور کوئی بھی اس کی اس قربانی کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔صفی نے اپنے شانوں پر اپنی خواہش اور نُہی کی قربانی دونوں کا بوجھ لئے پڑھائی میں دن رات ایک کیا تھا۔

راستے کے بیچوں بیچ روتے ہوئے اس کے ذہن میں اپنے اگلے اقدام کا خاکہ تیار تھا۔اسے بس ہر سطر کے آگے ٹک کرنا تھا۔امی کے قدموں میں گر کر معافی مانگنی تھی۔نُہی کے آگے ہاتھ جوڑنے تھے۔ان دونوں کی ہر خواہش اور آواز پر لبیک کہنا تھا۔عمران کے لیے امی کو ہاں کہنا تھا۔کیونکہ وہ جانتی تھی،امی کی خواہش اسے جلد سے جلد عمران کے ساتھ رخصت کرنے کی تھی۔اس نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد صفی کے خواب کی تکمیل میں امی اور نُہی کی مدد کے لئے وہ کوئی اور راستہ نکال لی گئی۔آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے اس واضح اور سہل منصوبے کو دل میں دہراتے ہوئے اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ کچھ گھنٹوں بعد کی اس پر عمل کس قدر کٹھن ہوگا۔

ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس نے ایک ایک چیز اکٹھی کی اور سارا سامان سمیٹا۔اپنی کپڑے خالی تھیلی میں ڈال کر باقی کی تھیلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر رکھیں اور اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی۔اس کا خیال تھا کہ اس کے باہر جانے کے بعد ہی جہان کمرے میں آ کر اپنی تیاری کرے گا۔ہوٹل سے نکل کر وہ پارکنگ ایریا میں آئی۔گاڑی کے پاس پہنچ کر کھڑکی کے شیشے پر دستک دینے سے پہلے اس کا ہاتھ رک گیا۔جہان سیٹ پیچھے کیے،دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سو رہا تھا۔بلو جینز اور خاکی کاٹن کی شرٹ میں ملبوس،اس کا چہرہ گہری نیند کی چغلی کھا رہا تھا۔نظر ہٹائے بنا مسلسل دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

"یہ مونچھیں تو باقاعدہ ہیں،لیکن یہ داڑھی...... پتہ نہیں،سابقہ ممکنہ محبوبہ سے ملاقات کی فکر کے باعث ہے یا پھر دائی ایسی ہی ہے۔" اسکی ہلکی داڑھی دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔کتنی ہی دیر وہ بڑے انہماک سے اسے دیکھتی رہی پھر خود ہی اس انہماک پر ٹھٹک کر گڑ بڑا گئی۔اس کا دل نہیں مانا کہ اسے جگائے۔وہ واپس کمرے میں چلی آئی مگر اس سے پہلے اس نے ریسپشن پر جا کر ہدایت دی تھی کہ گاڑی والا خود سے جاگ جائے تو اسے فون کر کے اطلاع دی جائے۔شکر تھا کہ کمرے میں ٹی وی اور اخبار تھا۔

ٹی وی، اخبار اور بڑی احتیاط سے تھوڑی لوٹ پوٹ کے بعد اب وہ اکتانے لگی تھی کہ ریسیپشن سے فون آ گیا۔ وہ نیچے پہنچی تو جہان تیار تھا۔ سیاہ پینٹ شرٹ پر گرے بلیزر اور پیروں میں فورمل شوز۔ قریب پہنچ کر اس نے کمرے کی چابی جہان کو دی۔ چابی ریسیپشن پر لوٹانے کے بعد جہان نے اس کے ہاتھ سے ساری تھیلیاں لے لیں۔ اپنی تیاری سے باخبر، جہان کی دم بخود نظروں پر وہ جھینپ گئی تھی۔

باہر نکلتے ہی سرد ہوا کے جھونکے اسے ہاتھ باندھ کر خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ ساری تھیلیاں پچھلی سیٹ پر ڈال کر جہان نے وہاں سے اپنا بامبر جیکٹ اٹھا کر اسے دیا۔

''یہ پہن لو۔ آگے اور زیادہ ٹھنڈ ہوگی۔''

وہ خود بھی بلیزر پہنے تھا۔ شبیع نے جیکٹ لے کر پہن لیا۔ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اپنا فراک اور دوپٹہ سمیٹا۔

''چلیں؟'' اس نے معرکے پر نکلنے سے پہلے اجازت مانگی۔

''بالکل۔'' وہ تیار تھی۔ جہان نے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

''ہم وہاں زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔''

شبیع کی بات پر اس نے ہنکارہ بھرا۔ اس نے شکر ادا کیا کہ وہ جیکٹ پہنے تھی کیونکہ جیسے جیسے سفر آگے بڑھ رہا تھا فضا کی خنکی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

''تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟''

''تم اتنی گہری نیند میں تھے کہ مجھے اچھا نہیں لگا۔'' اس نے ایمانداری سے اعتراف کیا۔

''اگر میں اٹھتا ہی نا تو؟''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔'' وہ ذرا آہستہ سے گویا ہوئی۔ ''اتنی تیاری کے ساتھ میں اتنا ہی انتظار کر سکتی تھی۔''

جہان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''میرے لئے کوئی خاص ہدایت یا تاکید؟'' ذرا دیر بعد شبیع نے پوچھا۔ پیشانی پر شکن ڈالے کچھ دیر سوچنے کے بعد جہان نے نفی میں سر ہلایا۔

''تمہارے کامن فرینڈز بھی ہوں گے وہاں؟''

”کالج میں صاحبہ کی دوستی ہمارے گروپ سے ہی تھی۔ ظفر اور نوید ممبئی میں ہیں اور فوزیہ شادی کے بعد ناروے میں۔ سو میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔“

ریزورٹ پہنچتے تک وہ دونوں ایک دوسرے کے خاندان کے ہر فرد کا مکمل تعارف حاصل کر چکے تھے۔

ریزورٹ کی روشنیاں دور سے ہی نظر آ رہی تھیں۔ باہر کھڑی گاڑیوں کی لمبی قطار اندر موجود افراد کی تعداد کا پتا دے رہی تھی۔

”اتنی بھیڑ میں بھلا ہم مل پائیں گے دلہن سے؟“ اسے فکر لاحق ہوئی۔ اس کی تشویش پر جہان مسکرا دیا۔

”جلدی سے صاحبہ کو اپنی شکلیں دکھا کر واپس چلتے ہیں۔“ جہان نے گاڑی پارک کی تو وہ اترنے کی تیاری کرتے ہوئے بولی۔

”ایسے ہی جاؤ گی؟“ جہان نے جیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ سمندر کے قریب لہروں کے شور کے ساتھ ہوائیں بھی یخ بستہ تھیں۔ اس کا دل بالکل بھی نہیں تھا کہ جیکٹ اتارے مگر وہ ایسے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

”میں زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی۔“ اس نے چار و ناچار جیکٹ اتار کر پیچھے رکھا۔ ”اس لئے جلد ہی وہاں سے نکل چلنا۔“ اس نے جتایا۔ جہان نے زیر لب مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ عجلت سی دروازہ کھولنے لگی۔

”شبیع!“ جہان کی آواز پر اس کا ہاتھ تھم گیا۔ وہ اس کی طرف پلٹی۔

”ایک کمی رہ گئی ہے۔“ اس نے بلیزر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر انگوٹھی نکال کر سامنے کی۔

”یہ تم نے کب خریدی؟ یا گھر سے لے کر آئے تھے؟“

سلور رنگ کی گولائی میں چھوٹے چھوٹے نگینے چمک رہے تھے اور درمیان میں ذرا بڑا نگینہ تھا۔

”تم شاپنگ کر رہی تھی اس وقت۔“ جہان نے انگوٹھی والا ہاتھ آگے کیا تو اس نے اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ جہان نے انگوٹھی اسکی ہتھیلی پر رکھ دی۔ شبیع نے انگوٹھی انگلی میں ڈالی جو ذرا ڈھیلی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی سیدھی کی۔ جگمگاتی انگوٹھی کا رخ جہان کی طرف تھا۔

”پرفیکٹ۔“ اس کی مسکراہٹ بڑی جاندار تھی۔

موجودہ حکمران سیاسی جماعت کے سیاست داں کی بیٹی کی شادی جیسی ہو سکتی تھی، یہاں بالکل ویسا ہی ماحول

تھا۔

قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھتے ہوئے وہ دونوں یکسر مختلف خیالات میں گھرے تھے۔ایک آنے والی ساعتوں کے تصور سے سہمی سی تھی،تو دوسرا زمین پر ایک ساتھ اٹھتے ،گرتے چار قدموں کو دیکھتے ہوئے ان کے یونہی ایک ساتھ رہنے کی آرزو کر رہا تھا۔داخلی دروازے پر پہنچ کر جہان نے شبیح کے چہرے کو دیکھا۔گھبراہٹ صاف عیاں تھی۔

''ریلیکس!یہاں تم کسی کو جانتی ہو نہ کوئی تم سے واقف ہے۔اس لیے اتنا ٹینس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔''

اس کی حوصلہ دیتی بات اور ڈھارس بندھاتی نگاہیں،وہ واقعی پر سکون ہو گئی۔

اندر بھانت بھانت کے چہروں،ڈیزائنر سوٹس،شیروانیوں اور ساڑیوں کے بیچ سے گزر کر وہ دونوں اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔اسٹیج سے ذرا فاصلے پر ہی تھے کہ وہاں سے دولہا دلہن نظر آ گئے۔

''ماشا اللہ!'' بے اختیار اسکے منہ سے نکلا،وہ آنکھوں میں ستائش لیے،مبہوت سی صاحبہ کو تک رہی تھی۔

جہان نے چونک کر اسے دیکھا۔یہی،بالکل ایسا ہی،اس کا حال ہوا تھا جب وہ زینہ اتر کر ریسپشن پر آ رہی تھی مگر وہ اظہار کے معاملے میں ایسا بے اختیار نہیں ہوا تھا۔

''تمہیں صاحبہ کو اپنی مما سے ملوا دینا چاہیے تھا۔آخر ان کی تمنا بھی چاند سی بہو ہو گی۔'' اس نے پل بھر کے لئے صاحبہ سے نگاہ پھیر کر جہان کو دیکھا۔''سراسر نقصان کروا لیا اپنا!'' تاسف بھرے فقرے کے بعد وہ پھر صاحبہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔اسکی نظر کے تعاقب میں جہان نے اسٹیج پر کھڑی دلہن کو دیکھا اور پھر پہلو میں کھڑی شبیح کو۔

''نہ......کوئی نقصان نہیں ہوا ہے میرا۔بلکہ نقصان سے بچ گیا ہوں۔'' وہ پر اشتیاق نظروں سے صاحبہ کو دیکھ رہی تھی اور جہان کی پر شوق نظریں اسے۔

''اس نے شاید تمہیں پہچان لیا ہے۔'' شبیح کی بات پر اس نے سامنے دیکھا۔صاحبہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں اوپر اسٹیج پر بلا رہی تھی۔

''کانگریٹس۔'' اسٹیج پر پہنچ کر دولہا سے مصافحہ کرتے ہوئے جہان نے دونوں کو مبارکباد دی۔

''تھینکس۔''

''یہ میرا کلاس میٹ جہان ہے۔'' دولہے کی استفہامیہ نظر کے جواب میں اس نے تعارف کرایا۔ ''اور یہ اس کی فیانسی......''

''شیبی۔'' جہان نے ادھورا تعارف مکمل کیا۔

''اور یہ میرے نئے نویلے ہسبنڈ شبیر۔''

''بہت بہت مبارک ہو آپ دونوں کو۔'' شیبی نے مرون اور سنہری لہنگے میں سجی سنوری، دم بخود کرتے حسن والی صاحبہ کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھایا اور صاحبہ نے اسے حیران کرتے ہوئے ہاتھ ملانے کی بجائے گلے لگا لیا۔

''اور کیا کرتے ہیں آپ؟'' شبیر نے جہان کے ساتھ رسمی گفتگو کا آغاز کیا تو صاحبہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے اپنی کرسی پر آ بیٹھی اور اسے بھی بغل والی کرسی پر بٹھا دیا۔ بیرے کو اشارے سے قریب بلایا۔ وہ ٹرے میں رنگ برنگی مشروبات لیے حاضر تھا۔ شیبی نے سرخ گلاس اٹھا لیا، یہ سوچ کر کہ وہ تربوز کا مشروب ہوگا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی وہ پچھتائی۔

''شادی میں بیٹ روٹ؟ بڑے لوگوں کے چونچلے۔'' اس نے بڑی جدوجہد سے وہ ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتارا۔

''ریلیٹیو ہو جہان کی؟'' صاحبہ نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''جہان سے تم پہلے ملی تھی یا اس کی مما نے رشتہ طے کیا ہے؟''

''میں جہان سے ملی تھی۔'' اس میں جھوٹ نہیں تھا۔

''کہاں؟ ہمارے کالج میں تو نہیں تھی؟''

''بس اسٹاپ پر۔'' یہ صد فیصد سچ تھا۔

''اس کے بعد......''

''میں مشکل میں تھی اور......'' اس نے شبیر کے ساتھ محو گفتگو جہان کی طرف اشارہ کیا۔ ''میری مدد کی تھی۔'' اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات بھانپ کر صاحبہ کو غلطی کا احساس ہوا۔

''سوری۔ مجھے اتنی پرسنل ڈیٹیلز نہیں پوچھنا چاہیے۔'' اس نے تائیدی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

''ایکچولی مجھے یقین تھا بلکہ اب بھی ہے کہ جہان پر مکمل اسکی مما کا کنٹرول ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا۔ جہان کی پسند سے ہوئی یہ انگیجمینٹ قبول کرنا میرے لئے ذرا مشکل ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ آنٹی بہت نائس خاتون ہیں۔'' اس نے غائبانہ تعارف کی بنیاد پر دفاع کیا۔

''آئی ہوپ، ایسا ہی ہو۔'' اس کے خیالات جہان کی مما کے لیے بڑے منفی تھے۔

''یہ ڈریس ضرور جہان نے خریدا ہوگا؟'' صاحبہ نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''ہمم۔'' ادائیگی تو اسی نے کی تھی۔

''میں دور سے ہی دیکھ کر جان گئی تھی۔ اسے ہمیشہ وائٹ، آف وائٹ، کریم، اسی قسم کے شیڈز پسند آتے تھے۔'' اب یہ تو اس کے لئے بالکل نئی اطلاع تھی۔ تبھی کچھ لوگ دولہا دلہن کو مبارکباد دینے چلے آئے۔ صاحبہ اٹھ کر شبیر کے برابر کھڑی ہوگئی تو وہ بھی کرسی چھوڑ کر ذرا پرے جا کر بیرے کو تلاش کرنے لگی۔

''کیا ہوا؟'' اس کی متلاشی نظریں محسوس کر کے جہان قریب آیا۔

''یہ واپس کرنا ہے۔'' اس نے مری آواز میں ہاتھ میں پکڑے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔ جہان نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اپنا نارنجی گلاس اسے تھمایا۔

''بیٹ روٹ ہے۔'' اس نے جلدی سے منہ بنا کر آگاہ کیا۔

''ایسے موقعوں پر سب سے سیف چوائس اورنج جوس ہوتی ہے۔'' اس نے بڑے آرام سے شیپچ کا گلاس لبوں سے لگایا۔ اسے یوں گلاس خالی کرتے دیکھ اسے باقاعدہ جھرجھری آگئی۔

''ویسے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔''

''سابقہ امیدوار اور کرنٹ فیانسی میں کیا باتیں ہوسکتی ہیں۔'' اس کا تجسس دیکھ کر اسے بڑا مزا آیا۔

''کرنٹ فیانسی...... ہمم۔'' جہان نے ابرو کے خم اونچے کر کے پرسوچ انداز میں ذرا سر کو جنبش دی تو وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ صاحبہ جو نظر بچا کر انہیں دیکھ رہی تھی، دونوں سے نظر ہٹانا بھول گئی۔

''ویسے تم نے جیسا نقشہ کھینچا تھا وہ اتنی بری نہیں ہے۔''

”ہا...... یہ تو سیدھا الزام ہے۔ میں نے کب صاحبہ کو برا کہا؟“

”تمہاری باتوں سے لگا تھا کہ وہ کوئی نک چڑھی، بگڑی امیر زادی ہوگی۔“

”امیر زادی تو ہے، بگڑی ہرگز نہیں اور نک چڑھی...... کبھی کبھی۔“

”بہت خوبصورت ہے اور مجھے اچھی بھی لگی۔ تمہیں سوٹ کرتی۔“

”خیر! قصہ پارینہ تھا جو آج انجام کو پہنچا۔ تھینکس ٹو یو۔“

”تو اب چلیں؟“

”ہمم۔ چلتے ہیں۔“ اس نے قریب سے گزرتے بیرے کو روک کر اپنا اور شبیج کا خالی گلاس ٹرے میں رکھا۔ وہ دونوں وداع لینے صاحبہ کے پاس جاتے، اس سے پہلے وہ خود ہی ان کے پاس چلی آئی۔

”شادی کب کر رہے ہو پھر؟“ صاحبہ نے پوچھا اور شبیج خوامخواہ ہی سر جھکا کر انگلی میں پڑی انگوٹھی گھمانے لگی۔

”جلد ہی۔“ جہان نے سر جھکائے کھڑی شبیج کو دیکھا۔

”پہلے سے انفارم کر دینا تاکہ میں شریک ہوسکوں۔ انگیجمنٹ کی طرح سرپرائز مت دینا۔“

”انشاءاللہ ضرور۔“

”چلیں۔“ شبیج کو یہ ساری گفتگو بڑی غیر مناسب لگ رہی تھی۔

”ارے اتنی جلدی۔ کھانا بھی نہیں کھایا ابھی تو۔“

”فارم ہاؤس پر سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ تو تمہاری تسلی کی خاطر ہم دونوں بھاگے چلے آئے۔“ کسی ماہر دروغ گو کی طرح جہان نے جھوٹ بولا۔

”تمہیں سب کو لے کر آنا چاہیے تھا۔“

”تم نے کہاں سب کو انوائٹ کیا تھا۔ جسے بلایا تھا، اسے لے آیا۔“ جہان نے جتایا اور وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گئی۔ تبھی جہان کا فون بجا۔ وہ معذرت کرتا اسٹیج سے اتر کر نسبتاً تنہا گوشے میں چلا گیا۔

”جہان نے تمہیں میرے متعلق بتایا تو ہوگا؟“ اسے امید نہیں تھی کہ وہ براہ راست اس سے یہ پوچھے

گی۔ شیبی نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"میں جہان کو پسند کرتی تھی، بلکہ وہ میری پہلی محبت تھا۔" وہ اپنے دولہا کے ساتھ، ایک ہی اسٹیج پر کھڑی سادگی اور بہادری سے اعتراف کر رہی تھی۔" پہلے دلچسپی دکھانے کے بعد اس نے اپنے قدم روک لیے تھے۔ پھر جیسے جیسے میں نے اس کے ساتھ وقت گزارا، پہلے شک اور پھر یقین ہو گیا کہ اس کا یہ اجتناب اپنی مما کی وجہ سے تھا۔ وہ انکار کرتا رہا مگر آج سے پہلے مجھے لگتا تھا کہ اسے بھی مجھ سے محبت تھی، لیکن......" صاحبہ سانس لینے کو رکی۔

"وہ جیسے تمہیں دیکھتا ہے، اس نے کبھی ایسی ایک نظر بھی مجھ پر نہیں ڈالی۔"

پورے سفر کے دوران کئی ایسے لمحے آئے تھے جب جہان کا دل بے ایمان ہو کر ایک نئے انداز سے دھڑکا تھا۔ شیبی کے لیے یہ پہلا لمحہ تھا۔ اس نے فاصلے پر کھڑے، فون پہ مصروف جہان کو دیکھا۔ اور اچانک، بالکل اچانک یکے بعد دیگرے اس پر کئی انکشاف ہوئے۔

"بہت اچھا ہوا جو وہ تمہیں یہاں لے آیا۔ ورنہ میں ساری عمر اسی غلط فہمی میں مبتلا رہتی۔ نئی شروعات کے لیے یہ کلوزر ضروری تھا۔"

صاحبہ کی بات جاری تھی مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔ ابھی ابھی کھلے رازوں نے اسے ساکت کر دیا تھا۔ بات کرتے کرتے جہان نے دونوں کی جانب دیکھا تو وہ ہوش میں آئی۔

"جہان بہت اچھا انسان ہے اور وہ تم سے محبت کرتا ہے، بہت لکی ہو تم۔ میں بھی کیسی باتیں کر رہی ہوں، یہ سب تو تم مجھ سے بہتر جانتی ہو گی۔" وہ خوشدلی سے ہنسی اور شیبی باوجود کوشش کے مسکرا بھی نہیں سکی۔ بات سمیٹ کے جہان ان دونوں کے پاس پہنچا تو وہ ایک نئی شیبی تھی۔

"اب اجازت دو ہمیں۔"

"کچھ تصویریں تو لینے دو۔" صاحبہ ان دونوں کو لیکر شبیر کے پاس آئی۔ دولہا دلہن کے ساتھ تصویریں کھنچوانے کے بعد جہان نے اجازت مانگی۔

"شکریہ، شیبی کو مجھ سے ملوانے کیلئے۔" صاحبہ نے جہان سے کہا۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔" شیبی نے اس کے ہاتھ تھامے۔

”سیم ہیئر۔“

وہ دونوں باہر نکلیں تو جہاں نے اس کی سنجیدگی اور خاموشی محسوس کی۔ گاڑی تک پہنچنے تک دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔ شمیم کے بندھے ہاتھ دیکھ کر جہان نے اسے جیکٹ دینے کے لئے پچھلا دروازہ کھولا تو صاحبہ کے تحفے پر نظر پڑی۔

”اوہ۔ یہ تو رہ گیا۔“ اس نے جیکٹ اٹھا کر شمیم کو دیا۔

”تم یہیں رکو، میں دے کر آتا ہوں۔“ پارکنگ سے اسٹیج کا فاصلہ بہت تھا۔ اسے اتنی لمبی مسافت سے بچانے کی خاطر اکیلا ہی اندر چلا گیا۔

شمیم نے پچھلی سیٹ پر رکھی تھیلیاں دیکھیں۔ اسے اپنا حلیہ تبدیل کرنا تھا۔ بیگ میں ہاتھ ڈال کر ”یلو چٹ“ نکالی، پین سے اس پر کچھ لکھا اور اسے کھڑکی کے شیشے پر چسپاں کر کے اندر آ گئی۔ اس نے وردی میں گشت کر رہے بیروں سے پوچھ پوچھ کر بالآخر ”چینجنگ روم“ ڈھونڈ ہی لیا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ منہ دھونے کے لئے واش بیسن تک آئی۔ آئینے میں اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی اس کی سماعتوں میں صاحبہ کے الفاظ گونجے۔

”وہ جیسے تمہیں دیکھتا ہے، اس نے کبھی ایسی ایک نظر بھی مجھ پر نہیں ڈالی۔“

اچانک اسے وہ نظریں آئینے سے اپنی طرف دیکھتی محسوس ہوئیں۔ تبھی آئینے میں وہ خاکہ ابھرا جو اس نے ہوٹل کے کمرے میں تیار ہوتے وقت ترتیب دیا تھا۔ بے اختیار ہی ہاتھ اٹھا کر اس نے ہتھیلی آئینے پر پھیری۔ اسے بھی علم نہیں تھا وہ کیا مٹانا چاہتی ہے۔ وہ نظریں یا وہ خاکہ۔ چہرے پر ٹھنڈا پانی ڈال کر اس نے جذبات کو بھی سرد کرنے کی کوشش کی جو کہیں پیش پا کر مچلنے لگے تھے۔

جہان واپس لوٹا تو ڈرائیور والی کھڑکی پر سے ”یلو چٹ“ ملی۔ ”میں چینج کر کے آ رہی ہوں۔“

اس نے کھینچ کر چٹ نکالی اور جیب میں ڈال لی۔ ذرا دیر انتظار کے بعد جب وہ نہیں لوٹی تو انجانے خدشات میں گھرا وہ اندر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسے شمیم آتی نظر آئی۔ وہ اپنے مسٹرڈ یلو کرتے اور سفید دوپٹے میں ملبوس تھی۔ میک اپ، گجرے، اور جیولری سے پاک، تھکی تھکی، دھلی دھلی سی وہ لڑکی لمحہ بہ لمحہ، قدم بہ قدم اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ سارا سامان پچھلی سیٹ پر رکھنے کے بعد اس نے انگوٹھی اتارنے کے لئے ہاتھ

آگے کیا۔

"ہاہ۔" ساری انگلیاں خالی تھیں۔ "یا اللہ! کہاں گر گئی؟" وہ جس راستے سے چل کر آئی تھی، اس نے پلٹ کر ادھر نظریں دوڑائیں۔

"چھوڑو۔ وہ کہاں اصلی تھی۔" جہان نے کہا تو وہ جو انگوٹھی کی تلاش میں پلٹ چکی تھی، رک گئی۔

"تمہیں اس کی بھی ضرورت پڑے گی۔" جہان نے پیچھے سے شال اٹھا کر اسے دی۔ وہ پہلے ہی جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔

"تم آرام سے سو جاؤ، میں سیٹ پیچھے کر دیتا ہوں۔" اس کے بدلے مزاج کو جہان نے تھکان سمجھا۔

"ابھی مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔" جہان کی موجودگی میں یوں لیٹ کر سونے کا خیال اسے مناسب نہیں لگا۔

جہان نے اپنی جگہ سنبھالی تو وہ بھی بیٹھ گئی۔

"تم صبح سے ڈرائیو کر رہے ہو، تھک گئے ہو گے۔" سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اسے یاد آیا۔ "اگر کہیں رک کر کچھ دیر آرام کرنا چاہو تو......"

"میں نے اپنی نیند پوری کر لی ہے۔ اب آرام سے صبح تک ڈرائیو کر سکتا ہوں۔ کہیں تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا؟" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"نہیں، تم کافی قابل بھروسہ ڈرائیور ہو۔" وہ بھی مسکرائی۔

گاڑی ریزورٹ کی حدود سے باہر نکل کر سڑک پر آئی تو اس نے قصداً آنکھیں موند کر سر پیچھے ٹکا دیا۔ جانے کتنی دیر بعد جہان نے بریک لگایا تو وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔ وہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔

"کھانا۔" جہان نے اترنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے، میں یہیں رکتی ہوں، تم کھا لو۔"

"چائے لو گی؟"

"نہیں۔"

جہان اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

''میں صبح ایک اجنبی سے ملی تھی، لیکن کیا رخصت ہوتے وقت بھی وہ اجنبی ہی رہے گا؟'' اس کی پشت کو دیکھتے شبیح نے خود سے سوال کیا۔ چند منٹوں بعد جہان واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سینڈوچز اور چائے تھی۔

''بغیر بھوک کے ہی کھالو۔'' اس نے سینڈوچ دیتے ہوئے کہا۔

''تم پراپر کھانا کھاتے، یہ کیوں لے آئے۔'' اسے بھی سینڈوچ اور چائے کا ڈنر کرتے دیکھ کر وہ ناراضگی سے بولی۔ اس کے انداز پر وہ نہال ہی تو ہو گیا تھا۔

''زیادہ کھانا کھالوں گا تو سستی اور نیند کے جھونکے آنے لگیں گے۔''

اس ڈنر سے فارغ ہو کر اس نے موبائل ہاتھ میں لیا۔

''ابھی ہم ستارا پونہ والے روٹ سے چلتے ہیں۔'' وہ فون میں ڈائریکشن سیٹ کرتے ہوئے بولا۔

''ہم آئے وہ کون سا راستہ تھا؟'' اس کے لیے تو سب ہی نیا اور پہلی دفعہ تھا۔

''اس سے کئی بہتر ہے۔ NH17 تھا، یہ NH4۔''

''تو تم نے پہلے بہتر والا روٹ کیوں نہیں لیا تھا؟''

''پھر تم سے کیسے مل پاتا۔'' فون اسٹینڈ میں لگا کر اس نے شبیح کو دیکھا۔ اس نے نظریں چرا لیں۔ بڑی دل نشیں مسکراہٹ کے ساتھ جہان نے گاڑی آگے بڑھائی۔ وہ ایک بار پھر سوتی بن گئی جبکہ دراصل اس کے اندر تلاطم برپا تھا۔ کافی وقت کے بعد ایک بار پھر گاڑی رکی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

''یہاں مسجد ہے۔ میں عشاء پڑھ لیتا ہوں۔'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''نماز تو میری بھی باقی ہے۔'' وہ بھی اتر آئی۔ وہ مسجد نہیں تھی بلکہ مزار تھا۔ جہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

''تم رکو، میں اندر دیکھتا ہوں شاید کوئی ہو۔''

جہان اندر مجاور سے بات کر کے واپس آیا تو وہ صحن میں لگے نل سے وضو کر کے ایک گوشے میں نماز کے لیے کھڑی ہو چکی تھی۔ جہان کی نماز بھی ہو گئی مگر اس کی دعا ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنے اطراف سے قطعی بے خبر ہو کر دعا میں مشغول تھی اور جہان اسے دیکھتے ہوئے، اس کی دعاؤں سے انجان، اس کی ہر دعا کے لئے آمین کہے

جا رہا تھا۔ دونوں کو ہی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ جب وہ دوپٹے سے بھیگا چہرہ خشک کرتے ہوئے کھڑی ہوئی تو جہان اپنے مخصوص انداز میں سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”آج ہی سب کچھ مانگ لیا۔“

جہان کی بات پر وہ آزردگی سے مسکرائی۔

”میرا ”سب کچھ“ بڑا مختصر ہے۔“

”تمہاری دعا تو مختصر نہیں تھی۔“

”معافیاں مختصر نہیں ہوتیں۔“

”اتنی بڑی خطا نہیں ہے تمہاری کہ ایسی طویل معافی مانگنی پڑے۔“

”دل دکھانے سے بڑا کوئی گناہ ہے؟“ اس نے جہان کو لاجواب کرنا چاہا۔

”انجانے میں ہوئی غلطی کا شمار گناہ میں نہیں ہوتا۔“

”جان کر یا انجانے میں، اگر غلطی کا بوجھ لمحہ بہ لمحہ دل پر بڑھتا جائے تو دعائیں اور معافیاں طویل ہو جاتی ہیں۔“

”غلطی کا اقبال اور ندامت کا احساس ہی آدھی معافی ہے۔“ اس کے حوصلہ دیتے لفظوں پر اس نے تشکر بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

شمیج کی نہ نہ کے باوجود جہان نے اس کی سیٹ ریکلائن کر دی تھی۔ جیکٹ کے اوپر شال اوڑھ کر اس نے آنکھیں بند کیں تو کچھ دیر میں ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔ تھکے ذہن کو بھی آرام مطلوب تھا۔

ایک نئی اور بڑی دلنشیں دستک اور آہٹ کا استقبال کرتا جہان، اپنے تخیل اور تصور کی نئی نئی گہرائیاں ناپ رہا تھا۔ درمیان میں وہ بے خبر سوئی شمیج پر نگاہ کرنا نہیں بھولتا تھا۔

اس کی آنکھ کھلی تو وہ چپ چاپ اسی حالت میں لیٹی رہی۔ اپنی جگہ سے اسے ڈرائیونگ کرتے جہان کی پشت اور ایک رخ نظر آ رہا تھا۔ وہ ریزورٹ سے نکلنے کے بعد سے اب تک اپنا ترتیب دیا خاکہ ہزاروں دفعہ دل میں دہرا چکی تھی۔ اس میں کسی نئی سطر کی گنجائش نہیں تھی۔ آنے والے انجان پل اسے زندگی کا سب سے کٹھن

امتحان لگ رہے تھے۔اس کی نظروں کی تپش تھی یا اس کے خیال کا ارتعاش، جہان نے مڑ کر دیکھا۔

''تم جاگ گئی۔''

وہ اٹھ بیٹھی۔بال اور دوپٹہ درست کیا۔پھر سیٹ سیدھی کی۔

''کہاں پہنچے ہم؟''

''بس پنویل پہنچنے والے ہیں۔''

''اوہ!میں تمام راستہ سوتی رہی۔''وہ سچ میں حیران تھی۔

''مجھے پنویل اسٹیشن ڈراپ کر دینا۔''اس نے شال تہہ کرتے ہوئے ممبئی کی لوکل ٹرین نیٹ ورک کی ہاربر لائن کے آخری اسٹیشن کا نام لیا۔

''کم آن۔اب میں تمہیں ڈائریکٹ گھر ہی ڈراپ کروں گا۔''

''نہیں۔''اس کا لہجہ اتنا حتمی اور سخت تھا کہ جہان سے زیادہ وہ حیرت زدہ تھی۔

''میں تمہارے ساتھ گھر نہیں جاسکتی۔''اسے اپنی آواز اور الفاظ، دونوں اجنبی لگے۔

''پانچ بجنے والے ہیں، ٹرینیں شروع ہوگئی ہوں گی۔میں آرام سے گھر پہنچ جاؤں گی۔''اب کے وہ ذرا سنبھل کے بولی تھی مگر جہان ہونٹ سختی سے بند کیے خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔زائیلو میں ایک بار پھر سفر کے آغاز والی خاموشی تھی۔

گاڑی اسٹیشن کے احاطے میں رکنے تک وہ خود پر قابو پاچکا تھا۔شیج اپنا بیگ لیے آہستہ سے باہر نکلی۔ اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے تھامے کچھ دیر سوچنے کے بعد، وہ خود کو تیار کر کے باہر نکلا۔

''تم نے میری جتنی مدد کی ہے اس کے لیے شکریہ بہت چھوٹا اور بڑا نامکمل لفظ ہے۔''وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی جو جہان کو پچھلے کئی منٹوں سے کھٹک رہی تھی۔

''میں نے تو صرف لفٹ دی تھی۔اصل مدد تو تم نے میری کی ہے اور اس کے لئے میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا بل......''

''گھر جا کر سب سے پہلے......''اس نے جہان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔فی الحال وہ اسے بولنے کا

موقع دینے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔" امی اور نہی سے معافی مانگنی ہے۔ان کی ہر آواز اور خواہش پر لبیک کہنا ہے۔ صفی کو ڈاکٹر بنا دیکھنے کے بعد فی الحال دونوں کی سب سے بڑی خواہش مجھے عمران کے ساتھ رخصت کرنا ہے۔وہ میرے جواب کے انتظار میں رکی ہیں اور میں انہیں اب مزید انتظار نہیں کرواؤں گی۔"

"شبیح!" اس ایک پکار میں حیرانگی، ناراضگی، خواہش، التجا، شکوہ، امید، سب کچھ تھا۔وہ سر جھکائے، جوتے کی نوک سے زمین پر ٹھوکریں مار رہی تھی۔

"وہاں ٹینتھ بی کے گیٹ سے پلٹتے وقت ہی میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میری زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار امی کو ہے۔"

"تمہاری امی کا یہ ہی آخری فیصلہ ہو، ضروری تو نہیں۔ نئے امکان اور متبادل سامنے آئیں تو ان کا فیصلہ بدل بھی سکتا ہے۔" اب کے اس نے قطع کلامی کی۔اس کا انداز بھی جارح تھا۔

"میں امی کا یہ فیصلہ آخری مان چکی ہوں۔"

"تم بیوقوف ہی نہیں، بے رحم اور ظالم بھی ہو۔" جہان نے اسکے جھکے سر کو دیکھا، جبکہ اس کا دل کر رہا تھا کہ اسے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالے اور کہے، "ادھر میری آنکھوں میں دیکھو۔"

"شاید۔" شبیح نے سر اٹھایا مگر جہان کو دیکھنے سے گریز کیا۔

"اچھا اپنا نمبر تو دو۔" خیر وہ تو بے وقوف نہیں تھا۔

"نہیں۔" وہ مگر واقعی بے رحم اور ظالم تھی۔اس کے لئے بھی اور اپنے لیے بھی۔

"میں یہ گزرا ایک دن بھول جانا چاہتی ہوں۔"

جہان کو غصہ آنے لگا تھا۔

"تمہیں کبھی میرا خیال آئے تو احسان فراموش جان کر جھٹک دینا۔" اس نے نظر جہان کے چہرے پر مرکوز کی۔" اس اسٹاپ سے اس لمحے تک، سب کے لئے شکریہ۔"

اس کی جھلملاتی آنکھوں میں "اس لمحے تک" کا مفہوم صاف نظر آ رہا تھا۔جس نے جہان سے احتجاج، التجا، ضد، غصہ اور کوشش، سارے اختیار چھین لیے۔ "تعلق اور رشتے کو معنی محبت اور قربانی سے ملتے ہیں۔" یہ مان کر

کل اس نے بڑی آسانی سے فیصلہ کر لیا تھا۔ اور اس وقت اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس مختصر شناسائی اور تعلق میں اس نے جہان سے کتنی بڑی قربانی مانگی تھی۔

''چلتی ہوں۔'' وہ بڑے ضبط سے مسکرا رہی تھی۔ جہان لحاظ اور احتیاط کی ساری بندشیں اور دیواریں گرا کر اسے تکے جا رہا تھا۔

تمہارے ہونٹوں پہ کانپتی ہے ہمارے کانوں میں گونجتی ہے
جو بات تم نے کہی نہیں ہے جو بات ہم نے سنی نہیں ہوں

''اللہ حافظ۔'' شبیج نے آخری نظر اس پر ڈالی۔ وہ پلٹ کر پلیٹ فارم کی طرف چل دی۔

''شبیج!'' عقب سے جہان نے پکارا لیکن اس نے پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔

ساری سرزمین پر بھی تلاش کیا جاتا تو اس وقت جہان مرزا سے زیادہ بے بس اور کوئی نہیں ملتا۔ اس کا دل اسے مسلسل اکسا رہا تھا۔

''جاؤ، روکو اسے۔''

''تم پابند نہیں ہو۔''

''اس کی مرضی نہیں، تم اپنی چاہ دیکھو۔''

''احمق نہ بنو۔''

''ابھی بھی وقت ہے۔ اس کے علم میں لائے بغیر ہی اس کا پیچھا کرو۔''

''وہ بے وقوف ہے بے خبر نہیں۔''

لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں تھا۔ ''اس لمحے تک'' کے لئے ادا ہوئے شکریہ نے اس کے قدم جکڑ رکھے تھے۔ اگر وہ مزید کھڑا رہا تو دل سے بلند ہوتے احتجاج اسے مجبور کر دیں گے۔ یہ سوچ کر وہ شکستہ قدموں سے گاڑی میں آبیٹھا۔ کتنی ہی دیر وہ اس جگہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، جہاں وہ غائب ہوئی تھی کہ شاید وہ پلٹ آئے۔ آخر کو دل میں اٹھتے شور سے گھبرا کر وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

مسلسل چھلکتی آنکھیں صاف کرتے ہوئے وہ پلیٹ فارم پر ٹکٹ ونڈو ڈھونڈ رہی تھی۔ جو اسے کہیں نظر نہ

آئی۔لوکل ٹرین کے اس اسٹیشن پر وہ پہلی بار ہی آئی تھی۔ بالآخر اس نے پلیٹ فارم پر کھڑی خاتون سے پوچھا۔ ٹکٹ ونڈو باہر احاطے میں ہی تھی۔ دوبارہ باہر آنے میں جہان کے وہاں موجود ہونے کا خدشہ تھا۔ پلیٹ فارم پر ہی تھوڑا وقت گزارنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ چلا گیا ہوگا، وہ باہر آئی۔ اسے وہاں موجود نہ پا کر دل میں اترتی مایوسی پر اسے بہت غصہ آیا۔

ایک ہی کھڑکی کھلی تھی۔ وہاں قطار میں اس سے پہلے ہی چھ، سات لوگ کھڑے تھے۔ وہ بھی قطار میں لگ گئی۔ آگے جب دو ہی لوگ بچے تو اس نے بیگ کی آگے والی زپ کھول کر پیسے نکالنے کے لئے اندر ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ میں آئے نوٹوں سے چھوٹے نوٹ الگ کرنے کے لئے ہاتھ سامنے کیے تو اس کی نظر کلائی پر پڑی۔ وہ جہان کا بامبر جیکٹ پہنے تھی۔

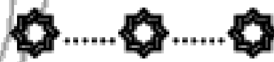
''ہاہ...... یہ کیسا المیہ ہے؟ میرے اختیار میں ہوتا تو اس کا چہرہ، اس کی باتیں، اس کی آنکھیں، سب اسی لمحے اپنی یادداشت سے غائب کردیتی۔ اور اب یہ......''

''تو اتار کر یہیں پھینک دو۔''

''ایسا ہی کرتی ہوں۔''

ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر آئی تو ٹرین لگی تھی۔ اس نے انڈیکیٹر پر وقت دیکھا۔ ٹرین نکلنے میں ابھی وقت تھا۔ وہ لیڈیز کمپارٹمنٹ کے سامنے بینچ پر بیٹھ کر جیکٹ اتار کر کہاں رکھے، سوچنے لگی۔

ٹرین شروع ہونے سے چند سیکنڈ پہلے جب وہ ٹرین میں چڑھی تو جیکٹ ہنوز اس کے بدن پر موجود تھا۔



لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی اس کی نظر دروازے کے دستہ میں ٹنگی تھیلی پر پڑی، جس میں ڈیری والا روز صبح دودھ کی تھیلیاں ڈال کر جاتا تھا۔ صفورا فجر کی نماز کے بعد ہی تھیلی اندر لے لیتی تھیں۔ لیکن آج ابھی تک دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اس نے دروازے کی گھنٹی نہیں بجائی بلکہ ہاتھوں سے دستک دی۔ دوسری طرف صفورا جیسے منتظر ہی تھیں۔ وہ اسی حلیے میں تھیں جس میں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

''امی!'' ہاتھ میں پکڑا بیگ دہلیز میں ہی چھوڑ کر وہ صفورا سے لپٹ گئی۔

"شبیع، میری جان۔"

زاروقطار رونے کی آواز سن کر نُہی بھاگی بھاگی آئی۔ اس کے پیچھے آنکھیں ملتا صفی تھا۔ نُہی نے بے دردی سے شبیع کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔

"کیوں رلا رہی ہو امی کو؟" اس نے اور مضبوطی سے صفورا کو پکڑا۔

"لیکن آپ دونوں رو کیوں رہی ہیں؟" دہلیز میں پڑا شبیع کا بیگ اور جوتوں سمیت صفورا سے لپٹی شبیع! دیر رات ٹریکنگ سے لوٹ کر بے ہوش ہو کر سویا صفی پوری طرح جاگ گیا تھا۔

"امی!" نُہی نے صفورا کو پکارا۔ وہ دونوں روئے جا رہی تھیں گویا لفظوں کی جگہ آنسوؤں کے ذریعے گفتگو کر رہی ہوں۔ صفورا نے ہی اسے زبردستی خود سے الگ کیا۔

"بس کرو۔" انہوں نے شبیع کے آنسو پونچھے جس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"اندر چلو۔" اس کے گرد بازو لپیٹ کر وہ اسے لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھیں۔

"کوئی مجھے بھی بتائے گا، چل کیا رہا ہے یہاں؟" صفی نے پہلے دروازے سے غائب ہوتیں صفورا اور شبیع کو دیکھا پھر نُہی کو۔

"تم فریش ہو کر آؤ، میں ناشتہ بناتی ہوں۔ اس کے بعد بات کرتے ہیں۔"

اس کا جواب سنے بنا ہی وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ صفی جانتا تھا، اس کے پیچھے باورچی خانے میں جانا فضول ہے۔ اب وہ ناشتہ بنانے کے بعد ہی منہ کھولے گی۔ صفورا کے کمرے کے باہر کن سوئیاں لینا بھی انتہائی غیر اخلاقی حرکت تھی۔ سو اس نے چپ چاپ غسل خانے کا رخ کیا۔

"میں نہیں ملی ان سے امی!" صفورا کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے کہا۔

"کیوں؟ وہاں نہیں گئی تو پھر کل پورا دن کہاں تھی تم؟" وہ حیران ہوئیں۔

"میں ان کے گھر تک گئی تھی۔ اور وہاں احساس ہوا کہ ان کی جستجو یا ان سے ملنے کی خواہش نے مجھے یہاں نہیں پہنچایا بلکہ دکھ، غصہ اور جلد بازی مجھے وہاں لائی ہے۔ میری امی آپ ہیں پھر میں وہاں کس لئے جاتی، اس لئے ان کے گیٹ سے واپس پلٹ آئی۔" ذرا دیر پہلے تھمے آنسو پھر رواں ہو گئے۔

”پھر اب یہ رونا کس لیے؟“ صفورا نے اس کے آنسو صاف کیے۔

”مجھے معاف کر دیں امی۔ بہت بدتمیزی کی میں نے، اور یوں بتائے بغیر رات میں گھر سے نکلنا بہت بڑی غلطی تھی۔“ اس نے صفورا کے ہاتھ تھامے۔ ”آپ کو جتنا غصہ ہے، سب اتار لیں مجھ پر۔ بلکہ پیٹیں مجھے۔“

”غصہ کیوں ہوں گی میں؟ تم صدمے میں اور غصے میں تھی۔ تمہارا ہر ردعمل فطری اور جائز تھا۔“

اس کا احساس جرم اور پچھتاوا پھر عود آیا۔

”سمیرا کے متعلق تمہیں نہ بتانا غلطی اور تمہارے ساتھ زیادتی تھی۔“

”امی!“ اس نے احتجاج بلند کیا۔

”آج سن لو بیٹا، پھر اگر تم چاہو تو ہم اس بارے میں دوبارہ بات نہیں کریں گے۔ تم سے راز رکھنے کے پیچھے تمہارے ابو کی سمیرا سے نفرت تھی یا تم سے محبت یا پھر دونوں، جو بھی تھا، انہوں نے سارے خاندان سے وعدہ لیا تھا کہ تم سے کوئی اس کا ذکر نہ کرے۔ سمیرا تمہاری دادی کی پسند تھی۔ وہ گھر میں سب سے چھوٹی، اکلوتی بہن اور اسی لحاظ سے لاڈ پیار میں حد سے زیادہ بگڑی اور ضدی تھی۔ پتا نہیں وہ شادی کے لئے کیسے تیار ہوئی تھی یا پھر زبردستی شادی کی گئی تھی۔ شادی کے بعد اس نے اپنا مزاج، پھر اپنی ناپسند اور پھر چھٹکارا پانے کی خواہش کو راز نہیں رکھا تھا مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جلد ہی تمہاری خوشخبری ملی۔ تمہارے ابو اور سمیرا، دونوں کی فیملی نے تمہارے دنیا میں آنے تک اسے رشتہ نبھانے پر راضی کیا تھا۔ یہ سب مجھے تمہارے ابو نے بتایا تھا۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ کسی کو بھی حق نہیں تھا کہ تم سے تمہاری جنم دینے والی ماں کو چھپایا جاتا۔ تم کم عمر اور ناسمجھ تھی تب تک تمہیں نہ بتانا درست تھا۔ لیکن مناسب وقت پر تمہیں اعتماد میں لے کر بتا دینا چاہیے تھا۔ اتنی اہم اور اپنی ذات سے جڑی بات کا اس طرح کھلنا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ تمہارے ابو سمیرا کے مزاج اور عمل کی وجہ سے تمہیں اس دکھ اور تکلیف سے بچانا چاہتے تھے۔ اس نیک نیتی کے باوجود بھی، تمہیں بے خبر رکھنا صحیح نہیں تھا۔ اور اس غلطی میں تمہارے ابو کے ساتھ میں بھی برابر شامل ہوں۔ تم ہم دونوں کو معاف......“

”امی!“ وہ تڑپ کر بولی۔ ”آپ مجھے اس طرح گنہگار تو نہ کریں۔“

”گناہ ہم سے ہوا ہے بیٹا اور معافی مانگنے کے لئے عمر اور رتبہ نہیں دیکھا جاتا۔“

''نہیں امی، اس سارے معاملے میں کسی کو معافی چاہیے تو وہ میں ہوں۔''

''کوئی معافی وافی نہیں، بس آئندہ خیال رکھنا، کتنا بھی غصہ ہو ایسے آدھی رات کو تنہا گھر سے نہیں نکلنا۔''

صفورا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''کان پکڑتی ہوں، پھر کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گی۔'' اس نے باقاعدہ کان پکڑے۔'' اپنی امی کو چھوڑ کر مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''تمہاری اور میری محبت جیسی ہی مسلم حقیقت سمیرا اور تمہارا رشتہ ہے بیٹا۔ اسے جھٹلانے اور نہ ماننے کی کوشش ایسے ہی بے سود ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ تم میری بیٹی نہیں ہو۔'' صفورہ کی آواز رندھ گئی تھی۔'' جلد بازی میں اور جذباتی ہو کر ابھی کوئی فیصلہ مت کرو۔ خود کو وقت دو مگر اسے سر پر سوار بھی مت کرو۔ آخر میں تم جو بھی طے کرو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔''

''اب مجھے بھی کوئی بتائے گا؟ میں اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔'' صفی گیلے بال تولیہ سے صاف کرتا اندر آیا۔

''ہٹو سامنے سے۔'' اس کے پیچھے ہی ٹرے لیے نُہی برآمد ہوئی۔ صفی نے فوراً ایک طرف ہو کر اسے جگہ دی۔

''پہلے ناشتہ کر لیں امی۔'' اس نے صفی کو اشارے سے تپائی پلنگ کے سامنے رکھنے کو کہا۔ صفی نے فوراً تعمیل کی۔

''امی نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔'' ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے اس نے کڑی نظروں سے شبیح کو گھورا۔

''امی!'' اسے شدید ندامت نے گھیرا۔

''ہاں لاؤ، بڑی بھوک لگی ہے۔''

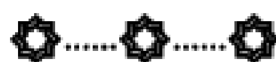
شبیح نے آملیٹ اور روٹی کی پلیٹ اٹھا کر صفورا کے سامنے رکھی۔ یہ ان کا پسندیدہ ناشتہ تھا۔ اسے کل کے باسی پلاؤ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر نُہی نے اس کے ہاتھ پر چپت لگائی۔

''گندی! پہلے منہ ہاتھ تو دھو لو۔''

وہ خاموشی سے ہاتھ دھونے اٹھ گئی۔ ابھی اسے منانے کا مرحلہ باقی تھا سو اسے چھیڑنا عقلمندی نہیں تھی۔

”مزید سسپنس میری برداشت کے باہر ہے۔“ صفی نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اعلان کیا۔

”مجھ سے پہلے تمہارے ابو کی شادی سمیرا سے ہوئی تھی۔“ کھاتے ہوئے صفورا نے بڑے سکون سے شروعات کی۔ گرما گرم چائے چھلک کر صفی کے پیروں پر گری۔ حیرت اور صدمے کے مارے باوجود تکلیف کے اس کے منہ سے آواز ہی نہیں نکلی۔



”اب کچھ کہیں بھی۔“ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس کی زبانی ساری روداد سننے اور سارے سوال جواب کے بعد، اب وہ اسے گھورے جا رہی تھیں۔

”اچھی طرح سوچ لے۔ یہی ایک بات ہے یا اور بھی چھپا رکھے ہیں؟“

”قسم لے لیں مما۔ یہ بھی کوئی کارنامہ نہیں تھا اسی لئے نہیں بتایا، بلکہ اسی لئے آپ بے خبر رہیں۔“

”تو نے صاحبہ والی بات بتا کر میری ماؤں والی حس مشکوک کر دی ہے۔“

”میری پیاری ماں۔“ جہان نے تسمیہ کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔ ”اپنی صلاحیت پر شک نہ کریں۔ صاحبہ آپ کے رڈار تک اس لئے نہیں پہنچ سکی کیونکہ وہ میرے دل کی رینج سے باہر ہی تھی۔ اور اب رحم کریں اس بھوکے پر۔ کچھ کھانے کو دیں۔“

گھر پہنچ کر وہ نہانے کے بعد بے خبر سو گیا تھا۔ اس کے جاگتے ہی تسمیہ اس کی کلاس لینے آ گئی تھیں۔

”ہاں چل۔“ وہ جو دونوں پیر سمیٹ کر بیٹھی تھیں، پیر نیچے لٹکا کر چپلیں پہننے لگیں۔

”ساتھ میں کھانا کھاتے ہیں۔“ پلنگ سے اٹھتے ہی انہیں یاد آیا۔ ”اور وہ شبیح۔ اسے گھر تک چھوڑنے گیا تھا؟“ وہ صاحبہ کے ساتھ ہی شبیح کی کہانی بھی سن چکی تھی۔

”نہیں، اس کے کہنے پر بنویل اسٹیشن ڈراپ کیا تھا۔“

”پوچھ تو لے، خیریت سے گھر پہنچ گئی یا نہیں۔“ وہ اس کے روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھیں۔

”اس نے مجھے اپنا نمبر دیا نہ ایڈریس۔“ وہ بھی ان کے پیچھے تھا۔

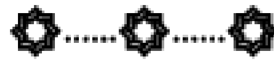
”ایسا کیوں؟“ وہ دروازے کے باہر ہی رک گئیں۔

"وہ کل کا دن، واقعات، لوگ کچھ یاد نہیں رکھنا چاہتی۔"

"ہمم......اتنی سی عمر اور......" وہ وہیں کھڑی افسوس کرنے لگیں۔

"مما، کھانا۔"

"ہاں چل چل۔ تیرے لئے میں بھی اب تک بھوکی ہوں۔"



اس نے صفورا تک عمران کے لئے اپنی ہاں پہنچادی تھی۔ نُہی کے آگے ہاتھ جوڑ کر سوری کہنے کی دیر تھی، وہ اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔ اس انکشاف سے اسے بھی اتنا ہی صدمہ اور دکھ پہنچا تھا جتنا شبیع کو۔ شبیع نے آنسو بہائے، بول کر بھڑاس نکالی اور پھر غصے میں گھر سے نکل گئی۔ لیکن نُہی کچھ نہ کر سکی تھی۔ وہ صرف شبیع کو اپنا غصہ دکھا اور جتا سکتی تھی سو وہی کر رہی تھی۔ صفی کی غیر موجودگی میں، صفورا کی خاطر اس نے اس وقت خود کو سنبھال لیا تھا۔

شبیع نے صاحبہ والا حصہ نکال کر جہان کے متعلق ان تینوں کو سب بتا دیا تھا۔ صفورا نے فوراً ہی اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے فون نمبر مانگا۔ فون نمبر نہ ہونے کا قصور اپنی یادداشت کے سر لگانا اس کے لیے بڑا آسان تھا۔

نُہی کی سالگرہ تھی۔ عموماً وہ چاروں گھر میں ہی منا لیا کرتے تھے لیکن آج بڑی پھوپھو اپنی بیٹی لائبہ کے ساتھ اس جشن میں شریک تھیں۔ کیک کاٹنے کے بعد بقول لائبہ ان سب کا "فوٹو سیشن" چل رہا تھا۔

"شبیع! میرے ساتھ آؤ ذرا۔" صفورا باورچی خانے میں گئیں تو بڑی پھوپھو نے اس سے کہا۔

"ہاں آپ دونوں جائیں، بہت فوٹوز ہو گئیں آپ کی۔ اب صرف نُہی باجی کی باری۔" چودہ سالہ لائبہ کو گلابی سی، باربی ڈول جیسی نزاکت اور اسٹائل والی اپنی یہ باجی بڑی بھاتی تھی۔

"چلیں پھوپھو۔" اسے لگا وہ عمران کے بارے میں کوئی بات کریں گی۔

"تمہیں سمیرا کے متعلق کس نے بتایا؟" کمرے میں پہنچتے ہی پھوپھو نے جو سوال کیا، وہ بالکل غیر متوقع تھا۔

"تم اس سے ملنے گئی تھی ناں؟" اسے حیرت زدہ دیکھ کر پھوپھو نے جیسے وضاحت کی۔

"لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"مطلب یہ صحیح ہے۔" پھوپھو نے رازداری سے کہتے ہوئے ادھ کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔

"مجھے سمیرا کا فون آیا تھا۔ اسے خبر ملی کہ ممبئی سے کوئی لڑکی اس کا پتہ پوچھتی، اس سے ملنے آئی تھی۔ اس نے لڑکی کا جو حلیہ بتایا وہ تمہارا ہی تھا۔"

"ہاں، میں ہی گئی تھی۔"

"پھر اس سے ملی کیوں نہیں؟ میرے پاس اس کا نمبر اور......"

"پھوپھو، مجھے ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"دلچسپی کیسے نہیں؟ شبیع! وہ بہت رو رہی تھی۔ تم مل لو اس سے۔ مجھے تو بہت رحم آیا۔"

"آپ ان سے ملیں، بات کریں، رحم کھائیں، جو مرضی کریں لیکن مجھ سے ان سب کی امید نہ رکھیں۔" اس نے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا۔

"صفورا کی فکر نہ کرو۔ وہ کچھ نہیں کہے گی۔ سمیرا آخر کو ماں......"

"پھوپھو!" اس کی آواز اور لہجہ خود بخود سخت ہو گیا تھا۔ "اتنے سالوں وہ جس طرح بے خبر اور خاموش رہی ہیں، ان سے کہیں اب بھی وہی کریں اور آپ بھی اس کے بعد اس موضوع پر مجھ سے کبھی بات نہ کریں۔" وہ غصے میں اٹھ کر باہر نکلی تو دروازے پر ہی لائبہ کھڑی تھی۔ وہ شبیع کا اچھے کیمرے والا فون لینے آئی تھی۔ اسے نہی اور شبیع کی رنگت کے تضاد پر ہمیشہ حیرت ہوتی تھی۔ آج اس کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔ شبیع نے باورچی خانے میں جا کر صفورہ کو اپنی اور پھوپھو کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بتایا۔ صفورا فوراً پھوپھو کے پاس بھاگیں۔ کچھ دیر بعد دونوں باہر نکلیں تو پھوپھو کا مزاج بحال تھا۔ لائبہ اور نہی کے ساتھ صفی اور شبیع کو بھی سیلفی اور تصویریں لیتے دیکھ انہیں یاد آیا۔

"نزہت نے اپنے بیٹے کا نمبر دیا ہے۔ اسے شبیع کی اچھی اچھی دو تین تصویریں بھیج دو۔"

"امی میں سینڈ کرتی ہوں۔ شبیع باجی کی فوٹوز تو فلٹر یوز کر کے بھیجنی پڑیں گی۔" اس نے ابھی ابھی لی گئی تصویروں کو اسکرول کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی نہیں۔ ہماری شبیع بنا فلٹر کے ہی بجلیاں گراتی ہے۔" نہی نے پیچھے سے اس کے گلے میں ہاتھ ڈالا۔

”کتنا بھی مسکا لگاؤ، تمہیں گفٹ میں وہ ہینڈ بیگ نہیں ملے گا۔“

”کونسا ہینڈ بیگ؟ فکر نہ کریں نہی باجی میری طرف سے گفٹ میں وہ ہینڈ بیگ پکا۔“

”لو، بن گیا تمہارا کام۔“ شبیح نے فون میں مگن تصویروں کا انتخاب کرتی لائبہ کو دیکھ کر کہا۔ سبھی اس کی نہی کے لیے خاص انسیت سے واقف تھے۔

”شبیح! تم شادی کر کے اتنی دور چلی جاؤ گی پھر؟“ پھوپھو کو خیال آیا۔

”کہاں اتنی دور؟ مڈل ایسٹ ہے۔ یورپ یا امریکہ نہیں۔“ صفی نے کہا۔

”ویسے شبیح کو تو یہیں امی کے قریب رہنا تھا۔ ملک کے باہر جانے کی خواہش تو میری تھی۔“ نہی نے مصنوعی اداسی طاری کی۔

”فکر نہ کریں۔ آپا، آپ نہی کے لئے بھی وہیں کوئی بندہ ڈھونڈ لینا۔ پھر میرے اور امی کے یہاں مزے ہی مزے۔“

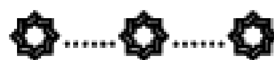
”صرف نہی ہی کیوں، اللہ نے چاہا تو شبیح سب کو اپنے پاس ہی بلا لے گی۔“ پھوپھو نے اپنی طرف سے سب کو تسلی دی۔

”ابھی کچھ طے ہوا نہیں اور آپ سب خیالی پلاؤ بنانے لگیں۔“ شبیح نے کہا۔

پھر جلد ہی نزہت آنٹی سب طے کرنے آ گئیں اور وہ جو سب ٹھان کر بیٹھی تھی، موقع ملتے ہی نزہت آنٹی کے روبرو کہہ ڈالا۔ اسے یقین تھا امی یا کسی اور سے یہ سب کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے اس معاملے میں آخری فیصلہ جسے کرنا تھا اس نے سیدھے اسی سے بات کی۔ اور جیسے وہ اتنے دنوں سے مسلسل دعا مانگ رہی تھی، نزہت آنٹی مان گئیں۔ نہ بارات، نہ کوئی فنکشن، نا جہیز، صرف سادگی سے نکاح۔

”تمہاری بات سن کر مجھے اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہو رہا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ایسی سمجھدار اور سلجھی ہوئی بیٹی اور بہو ملی ہے۔“ اس کی بات سن کر نزہت آنٹی نے کہا تھا۔

کمال تو یہ تھا کہ صفورا سے سادگی سے نکاح کی بات کرتے ہوئے انہوں نے شبیح کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔



"شبیع!" وہ کان پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی یہ پکار اسے سونے نہیں دیتی تھی۔

"کل سے میں نیچے بستر ڈال کر سوؤں گی۔" نُہی نے اس کی طرف کروٹ لے کر دانت پیسے۔

"پیاس لگی تھی اس لئے آنکھ کھل گئی۔" اس نے ڈھانک کر رکھا گلاس اٹھایا اور ایک گھونٹ لے کر واپس رکھ دیا۔

"سو جاؤ۔" وہ نُہی کی طرف پشت کر کے دوبارہ لیٹ گئی۔

"الماری کے اوپر والے خانے میں رکھا جیکٹ کس کا ہے؟" چند لمحے اس کی پشت کو گھورنے کے بعد نُہی نے فیصلہ کرتے ہوئے اس سے پوچھ ہی لیا اور شبیع کی سانسیں تھم گئیں۔

"تمہارے پاس واقعی اس کا نمبر نہیں ہے؟" شبیع کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے نیا سوال کیا۔

"ہم۔"

"اور اس کے پاس تمہارا نمبر؟"

"نہیں۔"

"تم نے عمران کے لئے ہاں کیوں کہا؟"

"یہ رشتہ امی کو بہت پسند تھا۔"

"امی کے لئے اپنی پسند سے زیادہ اہم تمہاری خوشی ہے۔"

"امی کی پسند ہی میری خوشی ہے۔"

نُہی کا دل کیا، جم کے ایک گھونسا مارے اس کی پیٹھ پر۔

"پھر سکون سے سوتی کیوں نہیں ہو۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو تو میں سوؤں۔"

"ساری کہانی میں تم نے جو بات چھپائی ہے، وہ بتا دو تو مجھے بھی نیند آ جائے۔" اور خلاف امید شبیع نے صاحب اور "فیانسی" والا حصہ بتا دیا۔ نُہی کتنی ہی دیر چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"اب بھی وقت ہے۔ میں امی سے بات کرتی ہوں۔"

"کیا بات کروگی تم؟" شیبی جھنجلا کر اٹھ بیٹھی۔

"یہی کہ ماں کی تلاش میں نکلی آپ کی بیٹی اپنا دل راستے میں کھو آئی ہے۔"

"کچھ نہیں کھویا ہے میرا۔"

"انگلیوں پر گنوا سکتی ہوں کیا کیا کھویا ہے تمہارا۔ نیند، سکون، قرار......"

"نُہی......" اس نے اس عاجزی سے ٹوکا کہ نُہی نے منہ بند کرلیا۔ وہ دوبارہ اپنی سابقہ حالت میں لیٹ گئی۔

"اس کا نمبر کیوں نہیں لیا تم نے بے وقوف؟" نُہی زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکی۔

"میں نے عمران کے لیے ہاں کہنے کا من بنا لیا تھا۔"

"سمیرا کے ذکر پر تم نے امی سے جو بدتمیزی کی تھی، اس کے ازالے کیلئے تمہیں اتنی بڑی قربانی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

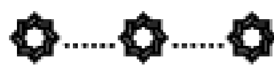
نُہی کی صاف گوئی پر اس کا دل بھی پل بھر کو ڈگمگایا۔

"کوئی قربانی نہیں۔ یہ میرا نصیب ہے۔"

"سو ہی جاتی ہوں میں کیوں کہ تمہاری ہر فضول بات پر میرا غصہ بڑھتا جا رہا ہے۔" نُہی دھاڑ سے اپنی جگہ پر لیٹی۔

"ہاں تو سو جاؤ۔" شیبی نے سر تک چادر تانی۔

"تم بے وقوف ہی نہیں، بے رحم اور ظالم بھی ہو۔" جہان کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔ آنسو چپکے چپکے تکیہ بھگونے لگے تھے۔



ایک اور ناکام دن گزار کر وہ تھکا ماندہ گھر لوٹا تھا۔ ڈرائنگ روم میں ٹی وی دیکھ رہے ابو کو سلام کر کے وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا تھا۔ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھتے ہی اس کا دل کیا سرپٹ واپس باہر دوڑ جائے۔ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تسمیہ اسے دیکھ چکی تھیں۔

''میری ماؤں والی حس اور رڈار سب ٹھیک کام کر رہے ہیں۔'' اسے دیکھتے ہی وہ شروع ہوئیں۔

''ان سب کی جگہ اس کا نمبر اور ایڈریس لے آتے۔'' تسمیہ نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔ شبیج کا پہنا ڈریس، سرخ دوپٹہ، سینڈلز اور جھمکوں کے ساتھ وہاں یلو چٹ اور شی، شبیج لکھا ٹیشو پیپر بھی تھا۔ جہان نے اپنی دانست میں یہ سب کچھ بڑی اچھی طرح سے چھپادیا تھا۔

''پسند تو اچھی ہے اس کی۔'' تسمیہ نے ایک جھمکا اٹھایا۔ ''ویسے یہ اس کی پسند ہے یا تمہاری؟'' اس کا اترا چہرہ دیکھ کر انہوں نے اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

پچھلے کئی دنوں میں اس کے بدلے مزاج اور خاموشی کو سب ہی نے محسوس کیا تھا۔ آج وہ اپنے شک کی تصدیق کے لیئے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ وہ خاموشی سے پلنگ کے کنارے پر ٹک گیا۔ تسمیہ اور اسکے بازو میں آبیٹھیں۔

''کیوں خاموش رہے اتنے دن؟ کہا کیوں نہیں؟''

''ایسا کیسے ممکن ہے مما؟ صرف چند گھنٹوں کا ساتھ اتنا ضدی اور طاقتور کیوں ہے؟'' وہ الجھا بکھرا ماں سے پوچھ بیٹھا۔

''ایسے مجنوں نہ بنو۔'' تسمیہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بال سنوارنے۔ ''تلاش کرنے پر خدا بھی مل جاتا ہے یہ تو پھر ایک لڑکی ہے۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے، میں صبح سے شام کہاں بھٹک رہا ہوں؟''

''تمہیں واقعی کچھ نہیں معلوم؟''

''نہیں مما۔''

''ساؤتھ ممبئی میں ہے، سٹی میں یا سبرب میں، اتنا تو پتہ ہوگا؟''

''یہ بھی نہیں پتہ۔''

''کیا ہو گیا تھا تمہاری عقل کو؟'' انہوں نے بال سنوارتے ہاتھوں سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔

''پتھر پڑ گئے تھے۔'' وہ آزردگی سے مسکرایا۔

"یاد کرو، اس نے باتوں باتوں میں کچھ کہا ہوگا۔"

"سب یاد ہے مما۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کی امی کا کوچنگ سینٹر ہے۔ بس! نام، علاقہ نہیں معلوم۔"

"تصویر بھی نہیں ہے؟" تسمیہ کی بات پر جہان نے جیب سے فون نکالا اور شبیح کی کھنڈر سے لی ہوئی ساحل والی تصویر ان کے سامنے کی۔

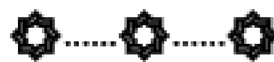
"اتنی دور سے کیا خاک دیکھوں۔" دو تین تصویریں دیکھنے کے بعد وہ بولیں۔ جہان نے انگلی سے مزید کچھ تصویریں بائیں طرف دھکیلیں، جب تک کہ شبیح کا کلوزاپ سامنے نہیں آ گیا۔ یہ واپسی میں بے خبر سوری شبیح کی تصویر تھی۔

"ماشاءاللہ! ہے تو بڑی پیاری۔" گال کے نیچے ہتھیلی رکھے، کروٹ لے کر سوئی شبیح کے چہرے پر گہری نیند کا تاثر تھا۔

"اب اسے اخبار میں چھپوا کر اعلان کرنے سے تو رہے۔" بغور دیکھنے کے بعد انہوں نے فون جہان کو واپس کیا۔ جہان نے اسکرین کی طرف دیکھے بغیر ہی فون بستر پر ڈال دیا۔ وہ ماں کے سامنے اپنی بے اختیاری اور بےخودی بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہمت پکڑو بیٹا جی۔ کوشش کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ ان شاءاللہ کوئی نہ کوئی سراغ مل ہی جائے گا۔" وہ اٹھ کر پھیلا سامان تھیلیوں میں ڈالنے لگیں۔

"اس نے کہا اور تم مان کیسے گئے؟ گاڑی چھوڑ کر ٹرین سے اس کا پیچھا کرتے۔ ٹکٹ ونڈو جا کر ہی پتا کر لیتے کہاں کی ٹکٹ لی ہے۔ ابھی ڈھونڈنے میں آسانی تو ہوتی۔" ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ان کی بات بھی جاری تھی۔ وہ خود بھی یہی سوچ سوچ کر ہر پل خود کو گالیاں دے رہا تھا۔



جس دن نزہت آنٹی اور انکل نکاح کی تاریخ طے کرنے آئے اس دن امی نے سبھی کو مدعو کیا تھا۔ دادی، نانا، نانی، تایا، چاچا، دونوں پھوپھو، خالہ اور ماموں۔ دادی ان سب کے اصرار پر نکاح تک رکنے کے لیے تیار ہو گئی تھیں ورنہ وہ تایا کے علاوہ کسی کے گھر نہیں ٹھہرتی تھیں۔ مقام اور مکان بدلنے پر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔

عمران نکاح سے دو دن پہلے آنے والا تھا۔صرف نکاح سادگی سے تھا۔عمران کی طرف ساری رسومات اور ولیمہ کی تیاریاں بڑے زوروں پر چل رہی تھیں۔ وہ اکلوتی اولاد تھا۔سارے ارمان اسی ایک شادی میں پورے کرنے تھے۔

سب کے سامنے ہنستی مسکراتی شبیح کا ناٹک نُہی کے سامنے نہیں چلتا تھا۔اب بھی بڑی دیر سے موبائل میں دیوار پہ بنی بیک اور جیپ کی تصویر دیکھتی شبیح پر وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''خدا کا واسطے شبیح! ذرا سوچو، امی کو جب تمہاری اس حماقت کا علم ہوگا تو تمہیں اندازہ بھی ہے، کتنا دکھ ہوگا انہیں؟''

''تم کوئی حماقت نہ کرو تو امی کو کبھی علم نہیں ہوگا۔''

''مجھے تمہارے اس فیصلے کی لوجک ہی سمجھ نہیں آتی؟''

شبیح چپ رہی۔

''ابھی بھی وقت ہے تمہارے پاس۔''

''اور تمہارے مطابق کیا کرنا چاہیے مجھے اس وقت میں؟''

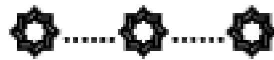
''اس شادی سے انکار کردو۔''

''مانو کردیا پھر؟''

''پھر......؟'' اس کے خلاف توقع جواب پر وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔'' زبردستی کی شادی کا پچھتاوا نہیں ہوگا تمہیں۔''

''اس شادی سے انکار کر کے کس سے کروں شادی؟ جو تمہارے ذہن میں کلبلا رہا ہے اس کے نام کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں پتا۔تم کیا چاہتی ہو، اس کی تلاش میں نکلوں یا اس کا انتظار کروں؟ کس امید پر؟ کس آسرے پر یہ شادی نہ کروں؟'' وہ ذرا ٹھہری۔''نُہی! اس الجھن سے نکلنے میں میری مدد کرو، مجھے اسے بھولنے کی تلقین کرو۔ میرے لئے دعا کرو۔بار بار اس کا ذکر کر کے مجھے مزید اس کی طرف مت دھکیلو۔'' بولتے بولتے وہ رو پڑی۔نُہی نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''سوری شیبی۔''



''جہان!'' دھاڑ سے دروازہ کھول کر تسمیہ اندر آئیں۔ وہ جو بیدار ہونے کے بعد سے فون ہاتھوں میں لیے اس کی تصویر میں گم تھا، اس اچانک حملے پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس سے قبل ایسے دستک دیئے بغیر وہ کبھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھیں۔

''تمہیں اس کی امی کے گھر تو پتہ ہے نا، شیبی جن سے ملنے کے لئے گئی تھی؟'' وہ بڑے جوش میں نظر آ رہی تھیں۔

''ہاں۔''

''تم وہاں جا کر ان سے شیبی کے ابو کا ایڈریس حاصل کر سکتے ہو۔'' وہ بڑی دور کی کوڑی لائی تھیں۔

''ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے لیکن......'' تسمیہ کا سارا جوش اس میں منتقل ہو گیا تھا۔

''کوئی لیکن ویکن نہیں۔ اس کی امی کا نام معلوم ہے اور مکان بھی، فوراً تیاری پکڑو بلکہ میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔''

''یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا؟'' وہ اپنی کند ذہنی پر حیران ہوا۔

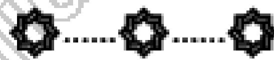
''اب اٹھ بھی جاؤ، سوچ کیا رہے ہو؟'' تسمیہ نے اس کے اوپر سے چادر کھینچی۔

''جلدی نکلیں گے تو رات تک واپس آ جائیں گے۔ میں ان تینوں کو ناشتے سے فارغ کرتی ہوں، تب تک تم تیار ہو جاؤ۔'' وہ اسے حکم دے کر چلی گئیں۔

وہ چھلانگ لگا کر بستر سے نکلا تھا۔ بڑی پھرتی سے تیار ہو کر باہر آیا تو ناشتہ کرتے ابو، ارش اور شبان نے آج پردہ داری کا دکھاوا بالائے طاق رکھ کر اسے خوب چھیڑا اور وہ صرف مسکراتا رہا۔ جسے وہ بڑا سنبھال رہا تھا وہ دراصل راز تھا ہی نہیں۔

وہ مما کو جلدی آنے کا کہہ کر نیچے چلا آیا۔ شہر سے باہر جانے کے لیے وہ کار کی جگہ زایلو ڈرائیو کرنا پسند کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ روزانہ گاڑیوں کی دھلائی کرنے والے واچ مین سے پیروں کی جگہ بچھے میٹس جھٹکنے کا کہہ کر

مما کا انتظار کر رہا تھا۔
"صاب جی! یہ کاگج کام کا ہے یا پھیک دوں؟" واچ مین نے میٹ کے نیچے پھنسا کاغذ نکال اسے دکھایا۔
فون پہ جھکے جہان نے دیکھے بغیر ہی کاغذ ہاتھ میں لیا۔ فون بند کر کے جیب میں ڈالنے کے بعد اس نے وہ چرمرایا کاغذ کھولا۔ وہ پمفلٹ تھا، کوچنگ سینٹر کا پمفلٹ۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس پر مسز صفورا افتخار شیخ کا فون نمبر اور کوچنگ سینٹر کا ایڈریس تحریر تھا۔ شمیع نے جب اپنا بیگ سیٹ پر الٹ دیا تھا وہ یقیناً اس وقت نیچے گرا تھا اور اس کی خوش قسمتی کہ اب تک وہیں پڑا رہا تھا۔ اسے واچ مین پر بڑا پیار آیا۔ اس نے اسے پانچ سو کا نوٹ بخشش کے طور پر دیا اور تسمیہ کو کال لگاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔
"مما! اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایڈریس مل گیا...... ہاہاہا...... گاڑی میں، اسکی امی کے کوچنگ سینٹر کا پمفلٹ ہے۔ نہیں، میں نکل رہا ہوں۔ آپ کو اگلے چکر میں لے چلوں گا۔ ہاں۔ دعا کریں۔ اللہ حافظ۔"
اس نے فون رکھ کر گاڑی راستے پر ڈالی تو وہ گنگنا رہا تھا۔



"ایک تو تمہاری یہ عادت۔" صفورا نے ہزار دفعہ کہا جملہ پھر دہرایا۔
"سچ کہہ رہی ہوں امی، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے رات میں اتار کر یہاں تپائی پر ہی رکھی تھی۔"
نزہت آنٹی نے جو انگوٹھی اسے پہنائی تھی، وہ صبح سے مل نہیں رہی تھی۔
"ضرورت کیا تھی نکالنے کی؟"
"مل جائے گی امی۔ کہاں جا سکتی ہے، یہیں کہیں ہو گی۔" نمی نے تپائی اس کی جگہ سے ہٹا کر جائزہ لیتے ہوئے تسلی دی۔
"میں نے سارا کمرہ چھان مارا ہے۔ اب تم دونوں اچھی طرح سے دیکھو۔" وہ باہر چلی گئیں۔
شمیع پلنگ پر بیٹھی تھی۔ نمی ہی تندہی سے تلاش میں لگی تھی۔ الماری کے سارے خانے اور درازیں دیکھنے کے بعد اس نے الماری کے دروازے میں ٹنگا شمیع کا بیگ نکالا۔
"تپائی سے چل کر انگوٹھی بیگ میں کیسے پہنچے گی بھلا؟"

"تم اور تمہاری یادداشت! کچھ بھی ممکن ہے۔"

نُہی نے پورا بیگ بستر پر خالی کر دیا۔ پچھلے سامان میں ڈھونڈتے ہوئے انگوٹھی اس کے ہاتھ لگی لیکن وہ نزہت آنٹی والی انگوٹھی نہیں تھی۔

"یہ......" اس نے انگوٹھی ہاتھ میں پکڑ کر شبیج کے سامنے کی اور وہ اچھل پڑی۔

"یہ کہاں ملی تمہیں؟" شبیج نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لینا چاہی لیکن نُہی نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"تمہارے بیگ سے نکلی ہے۔"

"یہ وہ رنگ ہے جو میں نے صاحبہ کے فنکشن میں پہنی تھی۔ مجھے لگا تھا کہیں راستے میں گر گئی ہے مگر یہ تو میرے بیگ میں ہی گری تھی۔"

نُہی بڑے غور سے معائنہ کر رہی تھی۔

"چھوڑو بھی، ایمیٹیشن ہے۔" شبیج نے اسکے ہاتھ سے انگوٹھی تقریباً چھینی۔

"آنکھوں والی اندھی۔ یہ اصلی ہے، رئیل ڈا......" دروازے کی گھنٹی کی آواز پر اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

"دیکھو۔" اس نے شبیج سے کہا اور خود بستر پر بکھرا سامان بیگ میں ڈالنے لگی۔ شبیج اس انکشاف پر حیران دروازہ کھولنے باہر نکلی اور دروازہ کھولتے ہی ہاتھ سے انگوٹھی اور زبان بے اختیار پھسلے تھے۔

"جہان!" پہلی بار اس نے با آواز بلند اس کا نام لیا تھا۔ جہان کی پچھلے دنوں کی کوفت، تھکن، اداسی سب وصول ہو گئی تھی۔

"شبیج۔" وہ مسکرا رہا تھا اور شبیج پتھر کی ہو گئی تھی۔

"مل گئی انگوٹھی۔" نُہی اندر آئی اور دروازے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔ جہان نے نُہی کو سلام کیا تو جیسے پتھر میں جان پڑی۔

"وعلیکم اسلام۔" نُہی دروازے کے قریب آئی۔ جہان نے جھک کر اس کے قدموں میں گری انگوٹھی اٹھائی۔

"کون آیا ہے؟" گھنٹی کی آواز سن کر صفورا بھی باہر آئیں۔

"السلام علیکم۔" جہان نے وہیں سے صفورا کو سلام کیا۔ صفورا نے جواب دے کر نُہی اور شبیح کو سوالیہ نظر سے دیکھا۔

"امی! یہ جہان ہیں۔" نُہی کے تعارف پر جہان اور شبیح دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کیسے پہچان گئی تھی؟

"ارے! آؤ ناں بیٹا اندر، وہاں کیوں کھڑے ہو؟" وہ خوش دلی سے بولیں۔ شبیح نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کی جگہ دی۔ اسے صوفے پر بٹھا کر وہ اس کے سامنے صوفے کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"میں خود تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی لیکن شبیح تمہارا نمبر لینا ہی بھول گئی تھی۔ اچھا ہوا تم خود ہی آ گئے۔ شبیح کی مدد کرنے کے لئے میں بہت ممنون ہوں بیٹا تمہاری۔"

"آپ شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں آنٹی۔ ان حالات میں وہ میرا فرض تھا۔"

"آجکل ایسے فرض شناس لوگ کہاں! اور تمہاری عمر کے نوجوان تو بالکل نہیں۔ تمہارے ساتھ ساتھ اس کا سہرا تمہارے والدین کے سر بھی جانا چاہیے۔"

وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"بیٹا پانی تو پلاؤ۔" انہوں نے صوفے کے پیچھے کھڑیں شبیح اور نُہی کو مخاطب کیا۔

"ابھی لائی۔" شبیح باورچی خانے کی طرف بڑھی۔

"شبیح۔" جہان کی آواز میں وہ سہم کر پلٹی۔

"یہ رنگ دروازہ کھولتے وقت گر گئی تھی۔" اس نے کھڑے ہو کر انگوٹھی والا ہاتھ آگے کیا۔ شبیح نے بڑھ کر ہتھیلی کھول کر آگے کی۔ جہان نے انگوٹھی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ صفورا کے چہرے کی الجھن دیکھ کر نُہی جلدی سے بولی۔

"رنگ مل گئی ہے امی۔" اس نے نزہت آنٹی والی انگوٹھی سختی سے اپنی مٹھی میں بند کی تھی۔

"شکر ہے۔ ہماری شبیح کی عادت ہے چیزیں گم کرنے کی۔" وہ ہلکے سے ہنسیں۔ جہان دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ

گیا تھا۔اس نے ایک گلاس پانی لانے میں اتنا وقت لگایا کہ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو صفورا اسے پھٹکارنے کے لئے باورچی خانے پہنچ گئی ہوتیں۔نُہی جان بوجھ کر وہیں کھڑی رہی۔اس کے پیچھے نہیں گئی تھی۔بڑی دیر بعد وہ واپس آئی تو پانی کے گلاس کے علاوہ کافی بھی ساتھ تھی۔

''پرسوں شمیع کا نکاح ہے۔'' جہان کو کافی کا مگ پکڑاتا اس کا ہاتھ بری طرح لرزہ، اندر سے خود بھی لرزتے جہان نے فوراً مگ تھام لیا تھا۔پل بھر کو اس کا دل بھی بند ہوا تھا۔پھر خیال آیا کل کا پورا ایک دن باقی ہے ابھی۔

''اپنی فیملی کو لے کر ضرور آؤ۔بلکہ مجھے اپنی امی کا نمبر دے دو، میں خود انہیں انوائٹ کرتی ہوں۔''

''وہ بھی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''امی! آپ کا فون بج رہا ہے۔'' نُہی نے اندر سے آتی آواز کی سمت توجہ دلائی۔

''تم بیٹھو بیٹا، میں فون سن کر آتی ہوں۔'' وہ اندر چلی گئیں۔

نُہی نے پیروں کے انگوٹھوں کو گھورتی شمیع کو شانوں سے پکڑ کر امی کی جگہ بٹھایا۔

''تم دونوں باتیں کرو، میں ابھی آئی۔''

''کیسے؟'' اس کے جانے کے بعد شمیع نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''تمہاری چیزیں گم کرنے والی عادت۔'' اس نے جیب سے پمفلٹ نکال کر کافی ٹیبل پر رکھا۔''افسوس یہ ہے کہ یہ اتنے دن بعد مجھے آج گاڑی میں ملا۔''

وہ پھر گردن جھکا کے انگلیاں مروڑنے لگی۔اسے دیکھتے ہی اس کے چاروں طرف صاحب کی باتیں گونج رہی تھیں۔

''وہ جن نظروں سے تمہیں دیکھتا ہے، ایسی ایک نظر بھی اس نے کبھی مجھ پر نہیں ڈالی۔''

''وہ تم سے محبت کرتا ہے۔بہت لکی ہو تم۔''

''میں کل مما کو لے کر آؤں گا۔'' جہان کی نظروں نے پل بھر کے لیے بھی اس کا چہرہ نہیں چھوڑا تھا۔

''نہیں۔'' جو اس نے نہیں کہا تھا، وہ سمجھ کر اس نے گھبرا کر سر اٹھایا۔

''میں تمہاری سننے کا پابند نہیں ہوں۔ایک بار غلطی ہوگئی، اب نہیں ہوگی۔'' استحکام اس کے لہجے اور لفظوں

میں ہی نہیں، اس کے چہرے پر بھی لکھا تھا۔

"پلیز جہان......" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس لمحے جہان نے جانا کہ یہ "جہان" سننے کے لیے وہ ایک جہان قربان کر سکتا ہے۔

"سوری بیٹا۔ ضروری فون تھا۔" صفورا اور اس کے پیچھے نبی واپس آئیں۔ شبیج آنکھیں رگڑ کر فوراً سنبھلی۔

"میں چلتا ہوں آنٹی۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "جلد ہی مما کو لے کر آؤں گا۔"

"بالکل آؤ بیٹا۔ اپنا نمبر تو دے دو۔"

جہان نے جیب سے والٹ اور والٹ سے کارڈ نکال کر نبی کو دیا۔ شبیج ٹرے اٹھا کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ جہان کے چلے جانے کا یقین کرنے کے بعد اس نے سلیب پر رکھی انگوٹھی اٹھائی اور کمرے میں آ گئی، جہاں نبی دانتوں سے ناخن کاٹتے ہوئے ٹہل رہی تھی۔

"تم سے بڑا گدھا ساری دنیا میں نہیں ہوگا۔" اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکی۔ شبیج نڈھال سی پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"وہ جیسے تمہیں دیکھتا ہے ناں، کوئی اندھا بھی بتا دے گا کہ وہ......"

"خدا کیلئے نبی!" اس نے ہاتھ جوڑے۔ نبی پلنگ پر پیر نیچے لٹکا کر اس کے قریب گر سی گئی۔

"تم نے آسان اور سیدھی سی بات کو اتنا کامپلیکیٹڈ بنا دیا ہے شبیج!" وہ بہت آزردہ تھی۔

"وہ کل اپنی مما کو لے کر آئے گا۔" شبیج نے آہستہ سے کہا۔ نبی کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔

"شکر ہے۔ اسکے پاس دل کے ساتھ ساتھ دماغ بھی ہے اور وہ اسے استعمال بھی کرتا ہے۔" اس کے طنز پر شبیج نے ناراضگی سے اسے گھورا۔

"مہندی والی کتنے بجے آئیگی؟" ڈرائنگ روم میں کھڑی صفورا نے کھلے دروازے سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دوپہر میں آئے گی کہا تھا۔ وقت نہیں بتایا تھا۔"

"نبی! تم فون کر کے پوچھو اس سے اور اس کے آنے سے پہلے ہی تم دونوں نماز اور کھانے سے فارغ

ہو جاؤ۔"

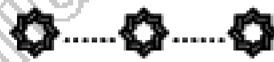
"جی امی۔" شمیع ہی جواب دے رہی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے دروازے کے قریب آ کر یونہی بیٹھی نُہیٰ سے کہا۔ "مہندی والی کو فون کرو اور پھر میرے ساتھ چلو۔ بازو والے فلیٹ چیک کر لیں، ٹھیک سے صفائی ہوئی ہے یا نہیں۔"

اتفاق سے بغل والے دونوں فلیٹ خالی تھے۔ نکاح میں صرف خاندان والے ہی شریک ہونا تھے اور ان کے لئے یہ دو بیڈ روم والا مکان ناکافی تھا۔ اس لئے دونوں خالی فلیٹس کا انتظام کیا گیا تھا۔ نُہیٰ بے دلی سے اٹھ کر فون لگانے لگی۔

"تم نے لہنگا پہن کر دیکھا؟"

"ہاں امی، پرفیکٹ ہے۔" وہ ماں کو دیکھ کر مسکرائی۔ ان کا جوش اور تیاری اور کل کے لئے جہان کی اطلاع، اس کا دل کر رہا تھا خود کو کہیں غائب کر لے۔



اگلے دن صبح ہی جہان اپنی مما کے ساتھ حاضر تھا۔ اس وقت گھر میں دادی کے علاوہ خالہ اور چھوٹی پھوپھو اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ سمیرا کی تلاش میں شمیع کے جانے والی بات صرف بڑی پھوپھو کے علم میں تھی۔ صفورا کے بتانے اور کسی اور کے پوچھنے سے پہلے ہی تسمیہ نے اپنا تعارف صفورا کی دیرینہ سہیلی کے طور پر کروا دیا تھا۔ سب سے ملنے کے بعد وہ نُہیٰ کے ساتھ شمیع سے ملنے اس کے کمرے میں آئیں۔ اسٹائلش سے کاٹن کے ڈریس میں ملبوس وہ دبلی پتلی، خوبصورت اور پر وقار سی خاتون جہان جیسے ستائیس اٹھائیس سالہ بیٹے کی ماں ہرگز نہیں لگتی تھیں۔ کوئی بھی انجان شخص انہیں جہان کی بڑی بہن کے علاوہ تسلیم کر ہی نہیں سکتا تھا۔ نُہیٰ دروازے سے ہی پلٹ گئی تھی۔

اسکے سلام کے جواب میں انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

"وعلیکم السلام۔" زرد ملگجے سے کپڑوں میں، ابٹن اور مہندی کی مہک میں بسی، اپنے بیٹے کے دل کی مکین وہ لڑکی انہیں پہلی نظر میں ہی بھا گئی تھی۔

''آنٹی! آپ کو جہان کی قسم، آپ امی سے کچھ نہیں کہیں گی۔'' اس نے ایک سیکنڈ بھی برباد کیے بغیر ان کے کان میں سرگوشی کی۔ تسمیہ نے اسے خود سے الگ کیا۔

''شبیع بیٹا!'' وہ اس اچانک فرمائش پر حیران تھیں۔ وہ بڑے پکے یقین اور بیٹے کی خاطر کسی بھی طرح سب کو منا لینے اور کچھ بھی کر گزرنے کے ارادے سے آئی تھیں۔ انہیں واسطہ پڑنے والی مدافعت کا اندازہ تھا۔ ممکنہ اعتراضات وسوالات اور اس کے جوابات بھی انہوں نے سوچ رکھے تھے۔ لیکن انہوں نے شبیع کی طرف سے مزاحمت کا نہیں سوچا تھا۔

''آپ ملیں نا امی سے، دیکھانہ وہ کتنی خوش ہیں۔ وہ ایک بیوہ اور تن تنہا اس گھر کی سربراہ ہیں۔ اور آپ یہ بھی جانتی ہوں گی میں ان کی سگی بیٹی نہیں ہوں۔ اس وقت طے شدہ معاملے کے علاوہ کوئی بھی اونچ نیچ ہوتی ہے تو امی کے لیئے نہ صرف اس وقت سب کچھ سنبھالنا مشکل ہوگا بلکہ ساری عمر انہیں لوگوں کو صفائیاں اور وضاحتیں دینی پڑیں گی۔ آج تک انہوں نے سب کچھ بہت احسن طریقے سے سنبھالا ہے۔ کبھی کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ میں اپنی چند دن پرانی خواہش کی تکمیل کے لیئے ان کی عمر بھر کی ریاضت رائیگاں نہیں کرسکتی۔ آپ ہی بتائیں، کیا ایسی خودغرضی کے بعد میں کبھی خوش رہ سکتی ہوں؟ اور صرف امی ہی نہیں، اس وقت بگڑے حالات نبی اور صفی کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوں گے۔'' وہ جان سے عزیز بیٹے کی ماں بن کر آئی تھیں اور اب ان کے سامنے جان سے عزیز ماں کی بیٹی تھی۔ ان کی ساری دلیلیں اور توجیہات اپنے معنی کھو چکی تھیں۔

''آپ کی گزارش سننے کے بعد اور میری کشمکش کی ہلکی سی بھنک پڑتے ہی وہ کسی کی بھی پرواہ کیے بنا مان جائیں گی۔ لیکن آنٹی، اس کی قیمت بہت بھاری ہے۔ میری اور جہان کی خواہش، اور آپ کی چاہ سے کہیں زیادہ۔ میری ماں کا مقام اور انکی عزت میرے لئے کسی بھی محبت سے پہلے ہے۔''

''اپنی ماں کی خوشیوں کیلیے تم دوسری ماں سے اس کی خوشیاں مانگ رہی ہو۔'' تسمیہ نے اس کے مہندی سے سجے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

''پلیز آنٹی!'' اس کا ضبط ختم ہوگیا۔ تسمیہ نے اس کے بہتے آنسو صاف کیے۔

''تمہاری امی کی بیٹی میرے بیٹے سے زیادہ لائق نکلی، قائل کر لیا مجھے۔''

شیج نے ہونٹ کاٹتے ہوئے خود کو رونے سے باز رکھا۔

''تھینک یو آنٹی۔''

''جہاں بھی رہو خوش رہو، آباد رہو۔'' انہوں نے اسے گلے لگا کر دعائیں دیں۔ دونوں ہی چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھیں۔

تسمیہ کے باہر جاتے ہی نُہی جن کی طرح حاضر ہوئی۔ شیج دروازے کی طرف پیٹھ کئے رو رہی تھی۔ نُہی اس کے سامنے آئی۔

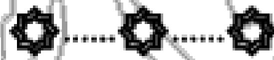
''اب کیا۔''

شیج اس کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ جہان کے ساتھ باہر نکلیں تو وہ بڑی بے صبری سے سارا احوال سننے کا منتظر تھا۔

''اب تو بتا دیں۔'' گاڑی کے پاس پہنچ کر وہ دبے دبے جوش کے ساتھ بولا۔ تسمیہ نے ایک نظر اس کے خوشی سے دمکتے چہرے پر ڈالی اور پھر اطراف کی پرواہ کیے بغیر اس کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑیں۔

''مجھے معاف کر دے جہان۔'' میکانیکی انداز ماں کے گرد پھیلتا اس کا بازو بے جان ہو کر نیچے گرا تھا۔



اگلی صبح تک اپنے تئیں اس نے خود کو پوری طرح آنیوالے وقت کیلئے تیار کر لیا تھا۔ سجی سنوری دلہن بنی وہ کچھ دیر بعد کسی کے ساتھ رخصت ہونے کو تیار تھی۔ نُہی خاموشی سے کام میں لگی تھی۔ موقع ہی ایسا تھا کہ ان دونوں کی اداسی کو سب ایک دوسرے سے جدائی کا اثر سمجھ رہے تھے۔ وہ کل جس بری طرح اس سے لپٹ کر روئی تھی اور پر جوش سی تسمیہ آنٹی جس آزردگی سے واپس ہوئی تھیں، اس کے بعد نُہی کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ اس نے پھر شیج سے جہان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے حساس دل اور رجائیت پسند فطرت نے اب بھی امید نہیں چھوڑی تھی۔ وہ چپکے چپکے مسلسل کسی معجزے کے لیے دعا گو تھی۔

''یہاں آؤ، میں لگا دوں۔'' اسے گجروں اور پنوں سے الجھتے دیکھ کر شیج نے پاس بلایا۔ وہ چپ چاپ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

’’تم نے بتایا نہیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟‘‘ گجرے اس کے بالوں میں لگاتے ہوئے شیخ نے اسے بولنے کے لئے اکسایا۔

’’دلہن لگ رہی ہو۔‘‘

’’اچھی، بری، ایویں ہی یا پھر بہت خوبصورت؟‘‘

’’خوبصورت اور حسین ترین دلہن!‘‘ لبنیٰ کے آئی لائنر پر پھونکیں مارتیں ماریہ باجی نے کہا۔

’’اور تمہاری اداسی اس حسن کو دو آتشہ کر رہی ہے۔‘‘ لبنیٰ نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر اضافہ کیا۔

’’تم تیار ہی ہوتیں رہنا، ادھر دولہا میاں آ گئے ہیں۔‘‘ چھوٹی پھوپھو نے آ کر کہا تو ماریہ باجی، لبنیٰ، شارقہ اور سیماب، سب باہر بھاگیں۔

’’تم کس لیے بیٹھی ہو؟ اکلوتی سالی ہو چلو۔‘‘ پھوپھو نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور باہر لے گئیں۔

کمرہ اس کے اندر کی طرح خالی ہو گیا تھا۔ وہ پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا سا چلی تو چوڑیاں، زیور، کپڑے سب شور مچانے لگیں۔ وہ سہم کر ٹھہر گئی۔ پل بھر کو لگا وہ سب اس کی شکایت کر رہے ہیں۔

’’جس دلہن کے دل میں ارمان اور جذبات نہ ہوں، اس کے تن پر ہمارا کیا کام؟‘‘

اس نے مہندی سے سجی ہتھیلیوں کو دیکھا۔ مہندی والی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی فہمی نے اسے عمران کا نام یا نام کا پہلا حرف نہیں لکھنے دیا تھا۔

’’فہمی اور اس کی امیدیں۔‘‘ اس نے سوچا۔ کتنا ہی وقت گزر گیا، وہ یونہی خالی الذہنی سے ہتھیلیوں کو تکے جا رہی تھی کہ زور سے دروازہ کھول کر فہمی اندر آئی، پھر اس کے پیچھے خالہ، بڑی پھوپھو اور امی بھی۔

’’کیا ہوا؟‘‘ ان تینوں کے چہرے دیکھ کر خود بخود ہی اس کے منہ سے پھسلا۔ اسے کسی انہونی کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔

’’امی، فہمی، بتائیں ناں؟‘‘

اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

’’مجھے دیکھتے ہی دولہے میاں حیران ہوئے، پھر بڑی دیر بعد اپنی ممی کی کان میں کچھ کہا اور اب ممی انہیں

پرائیویسی میں بات کرنے کیلئے بغل والے فلیٹ میں لے گئی ہیں۔"

"دھیرے اور تمیز سے بولو نُہی!" بیٹی کی ماں تھیں، اندر سے دھل رہی تھیں۔

"اللہ سب خیر کرے!" پھوپھو نے فکر مند چہرے کے ساتھ دعا کی۔

"یا اللہ!" بڑی زور سے اس کا سر چکرایا اور وہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

"شبیع......" امی سرعت سے اس کے پاس آئیں۔

"پھوپھو، آپ کو نزہت آنٹی بلا رہی ہیں۔" تب ہی صفی دروازے میں نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں بھی چلتی ہوں۔" صفورا نے نُہی کو اس کے پاس آنے کا اشارہ کیا اور خود پھوپھو اور خالہ کے ساتھ باہر نکل گئیں۔

نُہی اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئی۔

"انشاءاللہ سب ٹھیک ہی ہوگا۔" اب تک کسی معجزے کی دعا کرنے والی وہ بھی، پل بھر میں بدلے اس ماحول سے خوش نہیں تھی۔ اپنی ماں کا چہرہ دیکھ کر اسے سمجھ آ گیا تھا کہ شبیع کیوں چاہتی تھی کہ سارے معاملات طے شدہ طریقے سے اور معمول کی طرح انجام پائیں۔ کتنا ہی وقت گزر گیا۔ وہ دونوں اپنی اپنی دعاؤں میں مشغول تھیں کہ روتی لائبہ کے اندر آنے پر چونکیں۔ اس کے پیچھے خوفناک تیور لیے ماریہ باجی بھی تھیں۔

"رو کیوں رہی ہو؟" نُہی نے بری طرح بلکتی لائبہ سے حیرانی سے پوچھا۔ ماریہ باجی نے جھٹا جھٹ تین چار چھانپڑ اسے جڑ دیے۔

"کیا کر رہی ہیں ماریہ باجی!" نُہی اسے چھوڑ کر لائبہ کو بچانے لپکی۔

"کیسی حماقت کی ہے اس نے، پوچھو ذرا اس سے۔" وہ بڑی غضبناک ہو رہی تھیں۔

"کیا کیا تم نے؟" نُہی نے لائبہ کا چہرہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتاتی ہوں۔ اس نے عمران کو شبیع کی نہیں تمہاری تصویر بھیجی تھی۔" ماریہ باجی نے بم پھوڑا۔

"وہ یہاں تم سے شادی کا ارمان لیے آیا ہے۔ اس کے نزدیک شبیع نہیں تم اس کی دلہن ہو۔" وہ غصے میں کہہ

کر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

نُہی کا دل اور ذہن دونوں ہی بلٹ ٹرین کی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ بڑی تیزی سے اس نے ٹکڑے یہاں وہاں کر کے دوبارہ جوڑ کر تصویر مکمل کی۔ اس نے اپنی بھنگڑا ڈالنے اور لائبہ کو چھپی دینے کی خواہش کو بڑی مشکل سے قابو کیا اور اٹھ کر الماری تک آئی۔ دراز کھول کر جہان کا دیا کارڈ نکالا۔ اس کے نمبر پر اپنے فون سے پیغام بھیجا۔ کارڈ واپس دراز میں رکھا اور الماری بند کر کے پلٹی۔

"آئیں ماریہ باجی، باہر کی خبر لیتے ہیں۔"

ایک گوشے میں بیٹھ کر روتی لائبہ اور فرش پر ہراساں بیٹھی شبیع کو وہیں چھوڑ کر وہ دونوں باہر نکلیں۔

بغل والے فلیٹ میں اپنی تمام تر کشادہ ذہنی، اعلیٰ تعلیم اور سلجھے مزاج کے باوجود بھی نزہت آنٹی کو لڑکی والوں پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ انہیں سارا قصور انہیں کا لگ رہا تھا۔ کیسے وہ لوگ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کر سکتے ہیں؟ ایسی فاش غلطی اور اس پہ بے خبری بھی۔ تبھی ان کے شوہر صاحب نے یاد دلایا کہ غیر ذمہ داری اور غلطی کی شروعات خود انہوں نے کی تھی۔ عمران کا نمبر دے کر تصویر بھیجنے کی ہدایت دینے کی جگہ انہیں خود تصویر لے کر بیٹے کو روانہ کرنا چاہیے تھا۔ پھر عمران کی ہاں کے بعد انہوں نے ایک بار بھی توثیق کی ضرورت نہیں سمجھیں۔ عمران اپنی بات پر قائم تھا کہ جس لڑکی کی تصویر دیکھ کر اس نے شادی کیلئے ہاں کی تھی، شادی وہ اسی سے کرے گا۔ شوہر اور بیٹے سے طویل بحث و مباحثے کے بعد انہیں عمران کا مطالبہ جائز لگ رہا تھا۔

ادھر سب لائبہ پر بھڑاس نکالنے کے بعد اس عجیب و غریب صورتحال کے انجام اور نزہت کے ردعمل پر قیاس آرائیوں میں لگے تھے۔ بیٹے کی مانگ کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بعد، نزہت کے لیے بڑا مشکل تھا کہ ایک ماں سے یہ کہیں کہ "ہم جسے بیاہنے آئے تھے اسے رہنے دیں اور اپنی چھوٹی بیٹی ہمیں دے دیں۔"

بڑے حوصلے اور سلیقے سے انہوں نے سب کے درمیان یہ بات کہی تو کچھ نے سکون کا سانس لیا، کچھ کو شبیع یاد آئی، اور کچھ کو یہ سراسر غلط لگا۔ تبھی سب کو چیرتی اور ان سب کی نگاہوں کی پرواہ نہ کرتی نُہی صفورہ کے پاس آئی۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔" وہ صفورا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سب کے درمیان سے نکال کر باورچی خانے میں

لے آئی۔ جہاں کوئی نہیں تھا۔

''تسمیہ آنٹی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے فون صفورا کے کان سے لگایا۔

بدلتے تاثرات کے ساتھ دوسری طرف سے تسمیہ کی باتیں سننے کے بعد انہوں نے فون بند کر کے نُہی کو واپس کیا۔

''کیا یہ سچ ہے؟''

''ہاں، اتنی ہی بے وقوف ہے آپ کی بیٹی۔''

''نزہت نے ابھی عمران سے نکاح کے لیے تمہارا نام لیا ہے۔ اب تم شبیح کی خاطر کوئی بے وقوفی کیے بنا ایمانداری سے جواب دو۔''

''میرا شادی کا موڈ ہے نہ تیاری۔ لیکن اگر آپ تسمیہ آنٹی کا پروپوزل مان لیں تو شاید میرا بھی موڈ بن جائے۔ قسمت میں یہ سب شاید اسی طرح ہونا لکھا تھا امی۔''

''میری ماں بننے کی کوشش مت کرو۔'' وہ اسے گھورتی ہوئیں باورچی خانے سے باہر نکلیں۔

تسمیہ کے اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ آنے سے قبل، صفورا نے دادی اور نانا نانی کے ساتھ بمع ان کی اولادوں کے میٹنگ کی اور اس میٹنگ کے اختتام پر دونوں بیٹیوں کے نکاح اور رخصتی کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

نُہی اندر آئی تو وہ فرش پر ویسے ہی بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے متوحش نظروں سے نُہی کو دیکھا، جس کے پیچھے صفورا کے ساتھ ساتھ خالہ چاچی اور ماریہ باجی بھی تھیں۔

''نُہی! تم بھی بیٹھو اس کی بازوں میں۔'' خالہ نے اسے فرش سے اٹھاتے ہوئے نُہی کو ہدایت دی۔

'بھابھی! کوئی سرخ دوپٹہ ہی اس کے سر پر ڈال دیں۔'' چاچی نے اسے پکڑ کر شبیح کے بغل میں بٹھا کر سر پر اس کا دوپٹہ جماتے ہوئے کہا۔

''اور کوئی کلر نہیں ملا تھا تمہیں؟'' اس کے ہلکے آسمانی رنگ کے جوڑے کو دیکھ کر ماریہ باجی کو غصہ آ رہا تھا۔

''قسم سے اگر معلوم ہوتا نا کہ میرا نمبر بھی لگ جائے گا تو......''

''بس! اب منہ بند کر کے خاموش بیٹھو ذرا۔'' چاچی نے اسے ڈانٹا۔ لب وا کیے بیٹھی شبیع کو وہ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔ کونے میں آنسو بہاتی لائبہ بھی اس نئی صورتحال کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ تبھی صفی اور تایا، مولوی صاحب اور ایک اجنبی شخص کے ساتھ اندر آئے اور جب مولوی صاحب نے جہان مرزا ولد فرحان مرزا کہا تو اندر مچا تلاطم پر سکون لہروں میں ڈھل گیا۔ زندگی کی نوید سنا تا یہ معجزہ اسے گونگا ہی کر گیا۔ نُہی کے دو ہلکے اشاروں پر بھی جب وہ چپ رہی تو صفورا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بولو بیٹا شبیع۔''

مولوی صاحب نے ایک بار پھر دہرایا۔ اس بار شبیع نے پورے دل وجان سے کہا۔

''جی، قبول ہے۔''

ایجاب وقبول کے بعد ان سب کے باہر جاتے ہی نُہی نے اسے گلے لگایا۔

''مبارک ہو۔''

شبیع رو پڑی۔

''رخصتی میں وقت ہے ابھی۔'' نُہی نے اس سے خود سے الگ کیا۔ اس کا رونا بند نہیں ہوا تھا۔

''میرا ابھی نکاح ہوا ہے۔ جھوٹے منہ ہی سہی، مبارکباد تو دے دو۔''

''اللہ باجی، اسے چپ کرائیں۔'' خالہ نے امی کو مبارکباد دینے کے بعد کہا۔

ان سب کے کمرے سے نکلتے ہی شبیع صفورا سے لپٹ گئی۔

''بیٹا! تم تینوں کی خوشیوں سے بڑھ کر میرے لئے کچھ اہم نہیں ہے۔'' صفورا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اتنے بڑے فیصلے اپنی خوشی اور خواہش کو نظر انداز کر کے نہیں کرنے چاہئیں۔ تم نے شروعات ہی غلط کی اور پھر وقت رہتے اسے صحیح کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔''

''امی! اسے بڑا فلمی ہیروئین بننے کا شوق چڑھا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ انجام ایسا فلمی ہوا ہے ورنہ......'' اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔ صفورا نے اسے خود سے الگ کیا۔

''بہت ساری باتیں ہیں لیکن ابھی وقت نہیں ہے۔''

اسی وقت تسمیہ ارش کے ساتھ اندر آئیں۔

''ہمیں بھی ہماری بہو سے ملنے دیں۔'' صفورا سے ملنے اور مبارکباد دینے کے بعد وہ شبیح کے پاس آئیں۔

''ماشااللہ!'' انہوں نے باقاعدہ اس کی بلائیں لیں۔

''ایسی افراتفری میں گھر سے نکلیں کہ کچھ یاد ہی نہیں رہا۔'' انہوں نے اپنے گلے سے چین نکال کر اسے پہنائی۔ ''فی الحال اسی سے کام چلا لیتے ہیں۔''

''ویسے آنٹی......'' نمی نے منہ کھولا ہی تھا کہ اس کا ارادہ بھانپ کر شبیح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اشارے سے منع کیا۔

''تمہارا تو جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔'' تسمیہ نے اسے بھی گلے لگایا۔

''میرا نمبر آئے گا؟'' ارش نے کھنکار کر سب کو متوجہ کیا۔

''ہاں، ہاں۔ آؤ ناں۔'' تسمیہ نے اسے جگہ دی۔

''واؤ! آپ واقعی پری ہیں۔ اچھا...... تو یہ تل ہے جسے بھائی زوم کر کے دیکھتے تھے۔''

اس کی بات پر شبیح بری طرح جھینپ گئی۔ باقی سب کے قہقہے باہر تک پہنچے تھے۔

''بھائی نے کب سے آپ سے ملنے کی رٹ لگا رکھی ہے اور جب مما نے کہا کہ وہ آپ سے گھر جانے کے بعد ہی مل سکتے ہیں، تب سے وہ گھر جانے کی ضد کر رہے ہیں۔''

''ہاں صفورہ، اب جلد ہی رخصتی بھی کر دیں۔''

''پہلے آپ لوگ کھانا تو کھا لیں۔''

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد سب باہر گئیں تو اتنی دیر سے تماش بین بنی، سب کچھ دیکھتی اور سنتی، لائبہ اٹھ کر نمی کے پاس آئی۔

''باجی! آپ کو انڈیا سے باہر جانا تھا اور آپ اتنی کیوٹ ہیں، شبیح باجی سے بہت زیادہ پیاری۔ میں نے عمران بھائی کی فوٹو دیکھی تھی۔ ان جیسے ہینڈسم ہیرو کے ساتھ آپ ہی سوٹ کرتیں، شبیح باجی نہیں۔ اس لئے......''

اسے رونا آ گیا۔اس خیر خواہی کی خواہش پر سب نے اس کا حال ہی وہ کیا تھا۔

''مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میری وجہ سے آپ کی شادی آخر کو عمران بھائی سے ہو ہی گئی۔لیکن آپ بھی سب کی طرح مجھ سے ناراض تو نہیں ہے ناں؟''اس نے سوں سوں کے درمیان پوچھا۔

''میں ذرا بھی ناراض نہیں ہوں۔''نُہی نے اس کے آنسو صاف کیے۔''تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے تم نے کیا کیا کہ کایا پلٹ گئی ہے۔''نُہی نے شانوں سے تھام کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔''ذرا پہلے مجھے بتا دیتی، میں چپکے چپکے کچھ تیاری ہی کر لیتی۔''نُہی نے شبیج کو آنکھ ماری۔

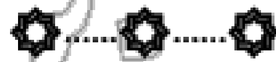
''اب جاؤ۔اچھی طرح منہ دھو کر پھر سے تیاری کرو اور اپنا یہ کارنامہ انجوائے کرو۔''اس کی پیٹھ تھپتھپا کر نُہی نے اسے باہر بھیجا۔

''اب تم کیا سوچ رہی ہوں؟''اس نے شبیج کو دیکھا۔''زیادہ مت سوچو، میرا شکریہ کیسے ادا کرنا ہے، میں تمہیں اور جہان کو جانے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دوں گی۔''

''میں سوچ رہی ہوں اگر لائبہ جہان کی فوٹو دیکھ لیتی تو......''

''ہاہاہاہا......''اس کی بات سمجھتے ہی نُہی بستر پر گر کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد ہی بجی سنوری، عروسی لباس میں ملبوس دلہن، جینز اور ٹی شرٹ پہنے دولہے کے ساتھ رخصت ہوئی اور شیروانی پہنے باقاعدہ دولہا بنے عمران کے ساتھ شادی میں شریک مہمانوں سے چلنے والی نُہی۔



وہ جہان سے پہلے ہی دوڑتی ہوئی دیوار کے پاس پہنچ گئی تھی۔ جہاں گاڑی اور بیگ کی تصویر کچھ ہلکی مگر موجود تھی۔

''اگر کچھ دن بعد آتے تو شاید نہ ملتیں۔''اس نے پلٹ کر جہان سے کہا۔

''اس بار پینٹ سے اپنے نام لکھتے ہیں۔''

''تم ساتھ میں پینٹ لائے ہو؟''اس نے حیرت سے جہان کے خالی ہاتھوں کو دیکھا۔

''لے آتے ہیں۔''

"ضرورت کیا ہے نام لکھنے کی؟ خواہ مخواہ ہی۔"

"ہم چیک کرنے کے بہانے آتے رہیں گے۔"

"یہاں آنے کے لئے بہانے کیوں؟ ہم جب چاہے تب آسکتے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔یہ بھی ہے۔"

"بس ان سردیوں کے موسم میں نہیں آنا؟" اس نے یخ بستہ جھونکوں سے بچنے کیلیے ہاتھ باندھ کر خود کو سمیٹا۔

"سردیوں سے بچنا تو بڑا آسان ہے۔" جہان نے اپنی جیکٹ کے دونوں سرے پکڑ کر اس کے دائیں بائیں رکھ کر اسے اندر سمیٹا۔ سرد ہواؤں نے اس کے کان ناک سب سرخ کر دیئے تھے۔

"دو سائز بڑا جیکٹ لینا پڑے گا۔" جیکٹ اسے پوری طرح چھپا نہیں پایا تھا۔

"کوئی نہیں۔ ممبئی میں صرف سردیوں کا موسم آتا ہے۔ سردیاں نہیں آتیں۔" جیکٹ کے نیچے سے اسکی پشت پر اپنی بازو پھیلاتے ہوئے سمجھدار بیوی نے شوہر کو فضول خرچی سے باز رکھنا چاہا۔

"اور یہاں میرے لئے ٹھنڈ سے بچنے کے لئے بس اتنا کافی ہے۔" اس نے ٹھوڑی اس کے سینے پر رکھ کر چہرہ اوپر کر کے مسکرا کر اسے دیکھا۔ جہان نے جھک کر اسکی ناک کے تل کو لبوں سے چھوا۔

"تمہیں پتہ ہے، کتنے رتجگوں میں یہ میری راتوں کا چاند بنا تھا؟"

جہان کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

"ہاں، اور گھر میں سب جانتے ہیں کہ اسے زوم کر کے گھورا جاتا تھا۔"

"سارا گھر نہیں، ارش ہی گھر کی زیرو زیرو سیون ہے۔ بس زیرو زیرو سیون کی طرح راز ہضم نہیں ہوتے اس سے۔"

"ہم......اب چلیں۔ ہمیں نکلے بہت وقت ہو گیا ہے۔" وہ سب کو فارم ہاؤس پر چھوڑ کر لانگ ڈرائیو کے لیے نکلے تھے۔ شیج نے جہان سے دور ہونا چاہا لیکن جہان نے ہونے نہیں دیا۔

"بہت دن سے ایک بات کہنا چاہ رہا ہوں۔"

"تو اب تک کہا کیوں نہیں؟"

''ہم یہاں ہیں تو تمہیں نہیں لگتا کہ ان سے مل لینا چاہیے؟''

''میں اب تک خود کو تیار نہیں کر پائی ہوں۔ جس دن بھی ان سے ملنا ہوگا، سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گی۔''

''او کے۔''

''اب چلیں؟ میری گردن اکڑ گئی ہے۔'' وہ جب سے مسلسل سر اوپر کیے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی گاڑی کے قریب پہنچے ہی تھے کہ شمیع نے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ دبائی۔

''اب کیا رہ گیا؟''

''فون...... میں نے بیچ پر پتھر کے پاس رکھا تھا۔'' وہ ساحل کے بعد اس عمارت میں آئے تھے۔ وہ واپس جانے کے لئے مڑی۔

''ہماری کہانی کا مین کردار تمہاری یہ عادت ہی ہے۔'' جہان نے آگے بڑھ اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر دوڑ لگائی۔

''اور اب ساری عمر مجھے تمہاری اس عادت کو بنا شکایت کیے بھگتنا ہوگا۔'' اس نے مصنوعی مسکینیت طاری کرتے ہوئے کہا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

۞......ختم شد......۞